بلوچ
تاریخ کے آئینے میں
MUNAWAR
مظہر علی خان لاشاری

بلوچ تاریخ کے آئینے میں

مظہر علی خان لاشاری
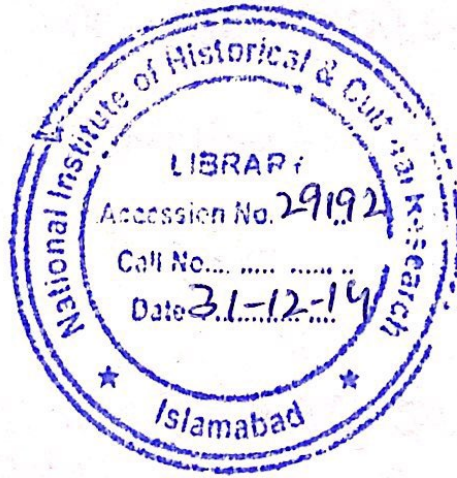
علم و عرفان پبلشرز

7C-ماتھر سٹریٹ لوئر مال روڈ' لاہور فون: 7352332

Scanned with CamScanner

کتاب کا نام	بلوچ تاریخ کے آئینے میں
مصنف کا نام	مظہر علی خان لاشاری
سن اشاعت	جون ۲۰۰۱ء
کمپوزنگ	نیو تنویر فوٹوسٹیٹ (ڈیرہ غازیخان)
پرنٹرز	مرکز علم وعرفان پبلشرز (C-7 مارکیٹ، اردو بازار۔لاہور)
پبلشرز	مظہر علی خان لاشاری نے مرکز علم وعرفان اردو بازار لاہور سے چھپوا کر شائع کی۔

فہرست

پیش لفظ

آج سے چار برس قبل 1997ء کو میں نے اپنی پہلی قلمی کاوش کو ''بلوچ تاریخ کے آئینے میں'' کا نام دے کر لکھنا شروع کیا تھا تو اس وقت صرف ایک خواہش اور طلب تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے تین چار ماہ میں اپنی یہ کتاب مکمل کر کے عوام کے سامنے پیش کر دوں لیکن بعد میں جوں جوں کام بڑھتا گیا تحقیق و جستجو کے نئے نئے باب مطالعہ کی صورت میں سامنے آتے گئے اور کتاب کا مواد بھی بڑھتا گیا۔ اس سارے عرصہ میں اپنی طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے کئی مرتبہ درمیان میں یہ کتاب تعطل کا شکار رہی۔ اس دوران اچانک ایک مرتبہ پھر کتاب کو مکمل کرنے کا جنون سر پر سوار ہو گیا۔ واقعہ کچھ یوں ہوا کہ کسی کام کے سلسلے میں کوئٹہ کا سفر اختیار کرنا پڑا، وہاں پر بلوچی اکیڈمی کا پتہ معلوم ہونے پر وہاں جا پہنچا۔ وہاں پر اس وقت اکیڈمی کے چیئرمین جان محمد دشتی صاحب تھے جو کسی بڑی شخصیت کے زیر عتاب ہونے کی وجہ سے اکیڈمی کے چیئرمین تھے۔ انہیں جب میرے کتاب لکھنے کے بارے میں آگاہی ہوئی تو انھوں نے مجھے زور دے کر کہا کہ آپ جیسے بلوچ نوجوان کو ہر حال میں بلوچ کی تاریخ پر کتاب لکھنی چاہئے کیونکہ بلوچ ادب اور تاریخ میں بہت کم بلوچوں نے لکھا ہے۔ بس پھر کیا تھا ہماری انا کے اسپ تخیل نے اسی وقت سر فخر سے بلند کر کے اور سینہ کھول کر تہیہ کر لیا اور کوئٹہ سے واپس آتے ہی ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نہایت مستقل مزاجی سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس دوران خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ہمارے ضلع ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر بلوچ نواز اور بہت بڑی ادبی شخصیت سید شوکت علی شاہ (موجودہ کمشنر بہاولپور) تعینات ہو گئے اور یوں ان سے میری علیک سلیک بڑھتی گئی۔ میں نے ان کو اپنا ابتدائی مسودہ پیش کیا تو انھوں نے میرے کام کو کافی سراہا اور مجھے مزید ترغیب

دی۔ چونکہ شاہ صاحب نے بلوچوں کے متعلق اپنی ایک کتاب ''اجنبی اپنے دیس میں'' تحریر کی ہے۔ اس لئے اس کتاب کے بارے میں ان سے کافی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس طرح یہ سلسلہ ایک بار پھر روانی کے ساتھ شروع ہو گیا۔

ابھی کتاب کا کام کچھ آگے بڑھا ہی تھا کہ میری نئی زندگی کا آغاز شادی خانہ آبادی کی صورت میں رونما ہوا اور پھر اس شادی کی برکت سے میں آگے بڑھتا گیا اور منزل قریب تر ہوتی گئی۔ جلد ہی مجھے روزنامہ نوائے وقت کے ساتھ بحیثیت رپورٹر منسلک ہونے کا موقع مل گیا۔ گو میں پہلے یونیورسٹی کے زمانے سے ہی نوائے وقت ملتان میں آرٹیکل رائیٹر رہ چکا تھا اور صحافتی زبان پر جو تھوڑا بہت عبور تھا وہ مختلف مضامین کی صورت میں سامنے آتا رہا لیکن جب نوائے وقت کے ساتھ مستقل طور پر منسلک ہوا تو پھر نئی ذمہ داریوں کی مصروفیت آڑے آ گئی اور ایک بار پھر یہ کتاب تعطل کا شکار ہو گئی۔ لیکن اس آخری مرتبہ مجھے جس شخصیت نے اس کام کو ہر حال میں مکمل کرنے کی تلقین کی وہ نوائے وقت کے ڈسٹرکٹ نیوز ایڈیٹر سید خالد جاوید مشہدی ہیں جن کے خلوص اور محبت نے مجھے یہ کتاب مستقل مزاجی سے مکمل کرنے کا ولولہ اور حوصلہ نصیب کیا۔ انھوں نے میری قدم قدم پر رہنمائی کی اور یوں آج الحمدللہ میں بھی صاحب کتاب بن چکا ہوں۔

میں نے اس کتاب کو اپنی طرف سے اپنے قارئین کے لئے زیادہ سے زیادہ مستند بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن یہاں پر مجھے یہ اعتراف بھی ہے کہ کتاب میں کچھ خامیاں یقیناً رہ گئی ہوں گی۔ میں مثبت تنقید اور تعمیری فکر کو ہمیشہ خوش آمدید کہتا ہوں۔ چنانچہ قارئین بھی میری اس پہلی تحقیقی و علمی کاوش کو اسی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں پر یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ میں خداوند قدوس کا ایک ادنیٰ سا بندہ ہوں یہ صرف اسی پاک ذات کا مجھ پر خاص کرم رہا ہے کہ اپنے محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کے صدقہ میں یہ بھاری کام مجھ سے مکمل ہو سکا۔ میں کس طرح سے اس خالق ارض

وسموات کا شکر ادا کروں کہ جس نے ذرے کو دام بخش دیا۔ مجھے تو اس کی امید بھی نہ تھی کہ مجھ جیسا کاہل اور سست آدمی بھی کوئی کتاب لکھ سکے گا۔ بقول شاعر

توقع سے تیرے کرم کو میں بیشتر ہی پایا
میں خود ہی شرما گیا جب اپنے دامن کو مختصر پایا

واقعی اس کریم ذات نے مجھے مالا مال کر دیا، مجھے ایسے لفظ عطا کر دیئے کہ وہ لفظ شاید ہی کسی مقدر میں آئے ہوں۔ مجھے وہ مقام عطا کر دیا کہ جس کی مجھے توقع بھی نہ تھی، نہ جانے کتنے لوگوں نے اپنی عادت کے مطابق کتنی مخالفتیں کیں اور اپنے دل کا بغض کس کس رنگ میں نکالا لیکن آخر کیا ہوا کسی کے کچھ کہنے یا کسی کی خواہش کے مطابق اگر سب کچھ ہوتا تو پھر شاید خدا کو کوئی خدا نہ کہتا۔ اسی کو تو کہتے ہیں کہ انسان کیا سوچتا ہے اور تقدیر کیا فیصلہ کرتی ہے اور پھر تقدیر کے فیصلے ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ وہ تقدیر کے فیصلوں پر اعتراض کر سکے۔ قدرت نے میری تقدیر میں بھی صحافی اور مصنف بننا لکھ دیا تھا اور یہ فیصلہ مالک کائنات نے روز اول سے کر دیا تھا۔ کس کس نے نہ جانے کیا کیا گل کھلائے، کسی نے دوست بن کر برائی اور کسی نے دشمن بن کر مخالفت کی انتہا کر دی۔ میرے گزرے ہوئے زمانے کی وہ باتیں دہرائیں کہ جن پر میں خود اپنی زندگی کے آخری ایام تک فخر محسوس کرتا رہوں گا۔ غریبی اور مفلسی کوئی بری باتیں نہیں ہوا کرتیں، بری تو وہ شے ہے کہ جس سے زمانے پر برا اثر پڑے۔ ایسے دوستوں اور دشمنوں کی باتوں کو سن کر مجھے ذرہ بھر بھی دکھ نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ باتیں مجھ سے مرعوب ہو کر کرتے ہیں اور جو شخص کسی سے مرعوب ہو گیا ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے آپ کے مقام کو تسلیم کر لیا ہے اور جب تسلیم کر لیا تو پھر بات ہی ختم۔ ویسے بھی دنیا نے کب کسی کی شخصیت میں کیڑے نہیں نکالے۔ زمانہ جن کو ابوالکلام کے نام سے اور بابائے صحافت کے نام سے یاد کرتا ہے ان کو بھی زمانہ آڑے ہاتھوں لے چکا ہے اور پھر مجھ جیسا شخص کہ جوان ہستیوں کے سامنے سورج کو چراغ دکھانے

والی بات تصور ہوتی ہے۔

الحمدللہ آج میں اپنا مشن مکمل کر چکا ہوں اور ان شاء اللہ اگلے سال کے عرصہ میں اگر خداوند عالم نے ہمت دی تو دوسری کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ آخر میں صحافت کی دنیا کی دو محترم شخصیات کہ جن کے ذکر کے بغیر میں اپنی کتاب کو نامکمل سمجھتا ہوں اور میرا قلم جن کے نام کو اپنی سجدہ گاہ تصور کرتا ہے یعنی عاشق رسول ﷺ اور صحافت کی شان جناب شورش کاشمیری مرحوم اور محترم جناب حمید نظامی مرحوم کہ جن کی نیکی کا ثمر روزنامہ نوائے وقت صدقہ جاریہ کا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب ان کو قیامت تک ملتا رہے گا کہ جس نے حرمت اور کاسالیسی کے اس دور میں بھی اپنے وجود کو سچائی سے معمور رکھا ہوا ہے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں میں اِک جنبش سے
جسے غرور ہو، آئے کرے شکار مجھے

بتاریخ 28-03-2001

مظہر علی خان لاشاری
لاشاری ہاؤس، بلاک نمبر Y۔ ڈیرہ غازی خان
خبر نگار روزنامہ نوائے وقت۔ فون 470360
ملتان۔لاہور

مستقبل کے مؤرخ کے لئے ایک نیا حوالہ

سردار مظہر علی لاشاری کا نام اہل علم وادب کے لئے اجنبی نہیں۔ ان کی صحافیانہ مہم جوئی سے تو اب ایک زمانہ آگاہ ہے کہ ہر روز نوائے وقت کے صفحات پر خبروں اور ہفتہ میں ایک آدھ بار سیاسی ڈائری یا علاقائی مسائل کے تذکرے کے ساتھ مظہر لاشاری کے ذہن اور قلم کی کاوشیں قارئین کرام کی توجہ کا مرکز بنتی ہیں۔ تاہم زیر نظر سطور میں ایک اور محاذ پر ان کی فتوحات کا تذکرہ مقصود ہے جو عام طور پر نوائے وقت کے قارئین اور تاریخ وادب کے طالب علموں کے لئے خبر کا درجہ رکھتا ہے۔

مظہر علی لاشاری کا شمار بلاشبہ نسلی تفاخر سے سرشار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو اپنے ماضی اور آباؤاجداد کے تذکرے سے عشق ہے۔ ان کے اندر چھپے ہوئے ایک بے چین بلوچ نے انہیں اس وقت تک چین نہیں لینے دیا جب تک انھوں نے تاریخ کی تنگنائیوں میں بکھرے ہوئے بلوچ تاریخ کے سنگریزوں کو شبانہ روز، محنت سے چن چن کر اور پھر وقت کی گرد میں چھپے ہوئے قدیم اور ضخیم حوالوں کی کسوٹی پر کھ کر انہیں آبدار موتیوں کی شکل میں ایک کتاب کی مالا میں پرو نہیں دیا۔

بلوچ ایک قدیم نسل ہے اور اس کی اصل (Roots) کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا تاہم مظہر لاشاری نے ایک علمی بحث کے ذریعے جس میں جگہ جگہ حوالوں کے ستون کھڑے کئے ہیں ایک ایسی عمارت ضرور تعمیر کر دی جس کی دیواروں پر تاریخ کے طالبعلموں کے لئے ایسے رستوں کی نشاندہی ضرور موجود ہے جن کے ذریعے بلوچوں کے ماضی کے اندر بہت دور تک سفر کیا جا سکتا ہے اور سفر کو خوبصورت اور خوشگوار بنانے کا سامان بھی کتاب کے اندر موجود ہے۔ کوئی کتاب بھی کبھی مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ ہر لکھنے والا اپنے زاویہ نگاہ کو پیمانہ

بنا کر الفاظ معنی کا جہاں آباد کرتا ہے تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر کتاب کو ایک مستند تاریخ بنانے کے لئے مظہر لاشاری نے قابل ذکر عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بلوچ تاریخ کے سفر میں ان کے ساتھ چلتے ہوئے ان سے چیدہ چیدہ باتیں سنتے ہیں۔ کہتے ہیں ''صدیوں سے سندھ اور پنجاب کے تمام علاقوں میں بلوچ پائے جاتے ہیں ان کا نفوذ ان تاریخی ادوار کی یاد دلاتا ہے جب بلوچوں کے دو مشہور قبائل رِند اور لاشاریوں کی آپس میں گوہر نامی ایک خوبرو عورت کی خاطر لڑائی شروع ہوئی تھی جو پورے تیس سال تک جاری رہی تھی۔'' ایک اور مقام پر کہتے ہیں ''بدرالدین نے بلوچوں سے 44 بولکوں سے مطالبہ کیا کہ ہر بولک ایک ایک لڑکی شاہی حرم میں داخل کرے۔ بولک نے بظاہر رضامندی کا اظہار کیا لیکن لڑکیاں بھیجنے کی بجائے انھوں نے 44 لڑکوں کو زنانہ لباس پہنا کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کے عتاب سے بچنے کے لئے اس کی اقلیم سے نکل بھاگے۔ بادشاہ نے ان لڑکوں کو تو واپس کر دیا لیکن خود ان کے تعاقب میں کیچ مکران کی طرف روانہ ہوا جہاں اسے بلوچوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔

''مزاریوں میں دو نام بڑے معتبر گزرے ہیں ایک سردار امام بخش اور بہرام خان۔ ان دونوں سرداروں کے زمانے میں مزاریوں کی مہمان نوازی مشہور تھی۔ ہر دو سرداروں کے ہاں روجھان میں مہمانوں کے لئے 200 بستر ہر وقت تیار ہوتے لیکن پھر بھی بعض اوقات مہمان خانہ میں اس قدر ہجوم ہوتا کہ مہمانوں کے لئے اور خیمے نصب کرنا پڑے۔''

''بلوچ قبائل میں انتقام گیری کا جذبہ اتنا شدید ہوتا کہ کسی خاندان کے سب بالغ مرد مارے جاتے تو مرنے والوں کی عورتیں اپنے بچوں کو بچپن ہی سے قاتلوں کے از بر کراتی رہتی ہیں۔''

رِند سردار بجار خان بلیدی قبیلہ کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کے بدلے میں بجار خان

کے عزیزوں نے بلیدیوں کے سردار ہیبت خان کو پکڑ کر ایک بلند چٹان سے سر کے بل نیچے پھینک دیا اور آتش انتقام کو مزید ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کا سر تن سے جدا کر کے کاسہ سر کو پیالہ میں بدل دیا جو مدت تک بجار خاندان میں پیالہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

مظہر لاشاری نے بلوچ مثل کا آغاز حضرت ابراہیمؑ سے کیا ہے اور بلوچ لوگوں کے بڑے بال رکھنے کی روایت کو مسجد اقصیٰ کے روحانی پیشواؤں کی سنت سے ملایا ہے۔ ہر قوم کی طرح بلوچوں نے بھی مستقل ٹھکانوں کی تلاش میں نگر نگر کی خاک چھانی ہے۔ ان کا ایک سفر شام کے شہر حلب سے شروع ہوا جو ایران سے ہوتا ہوا مکران اور پھر ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں اپنے اختتام کو پہنچا۔ بلوچ تاریخ جنگ و جدل سے بھری پڑی ہے ہتھیار بلوچ کا زیور ہوتا ہے، اس پر کتاب میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ بلوچوں کی آپس میں لڑائیاں بھی کتاب کا حصہ ہیں۔ میر چاکر کو بلوچ تاریخ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے ان کا بھی سیر حاصل ذکر میں موجود ہے۔ کتاب میں یہ بھی بتایا گیا کہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں بلوچوں کی مختلف قومیں کن حالات میں آباد ہیں ان کی ہجرت کے اسباب کیا تھے۔ آج کے مشہور بلوچ سردار جن کے ناموں کے ساتھ رِند، لاشاری، میرانی، گورچانی، دریشک، ڈومکی، مزاری، بلیدی، گوپانگ، بگٹی، رئیسانی، مری، گچکی، کھتران، کھوسہ، جمالی، بزدار، مگسی وغیرہ لاحقہ کی صورت میں لگا ہوتا ہے ان کے آباؤ اجداد کی اصلیت کتاب کے اندر موجود ہے اس کتاب سے ہی ہمیں پتہ چلا ہے کہ پنوں خان (سسی کا ہیرو) ایک بلوچ نوجوان اور بلوچ سردار ہوت خان کا پوتا تھا۔

مظہر لاشاری بلوچوں کی باہمی جنگوں پر بڑے فکر مند ہیں اور جگہ جگہ ان کا قلم اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خون کے آنسو روتا نظر آتا ہے۔ خصوصاً گوہر جتنی کی خاطر رِند و لاشار کی جنگ پر تو انہیں از حد دکھ ہے ان کا خیال ہے کہ اگر لاشاری یہ جنگ نہ لڑتے تو آج بلوچ تاریخ زیادہ قابل فخر اور روشن ہوتی۔ کتاب پڑھ کر بجا طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ لکھتے

لکھتے اچانک ان کے اندر سے ایک ''لاشاری'' نکلتا ہے جو ان کے قلم کو پکڑ لاشاریوں کو بالادست رکھنے کے لئے اکساتا ہے مگر مظہر اسے تاریخی حوالوں کے کوڑے سے پٹوا کر واپس بھجوا دیتے ہیں تاہم جانے سے پہلے وہ دو چار جملے اپنے مطلب کے لئے لکھوا ہی دیتا ہے۔ کتاب میں بلوچوں کے زوال اور ان کے اسباب پر بڑی فراخدلانہ اور علمی انداز کی بحث موجود ہے اور واضح طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ مصنف نے بجائے ناقابل قبول جواز پیش کرنے کے حقائق کو ہی اپنی تحریر کی بنیاد بنایا ہے۔ کوہ سلیمان کے دامن، بلوچستان کے پہاڑوں اور سندھ کے میدانوں میں عرصہ تک سنگلاخ زمینوں اور میدانوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پر رونق بنانے والی قوم کے ماضی اور حال کے شب و روز پر سردار مظہر لاشاری کی کتاب بلوچ تاریخ پر پہلی کتاب نہیں اور نہ ہی اسے آخری سمجھنا چاہئے۔ ان سے پہلے بھی اس موضوع پر قلم اٹھائے گئے ہیں اور آئندہ بھی اس پر لکھا جاتا رہے گا تاہم ہر کتاب ایک حوالہ بنتی ہے اس پر جتنی بھی کتابیں لکھی جائیں گی اس میں مظہر علی لاشاری کا حوالہ ناگزیر ہوگا۔ اس طرح انھوں نے کتاب کی شکل میں جہاں اپنی نسل کا ایک قرض چکایا ہے وہاں اپنے لئے بھی ایک مستقل اور قابل احترام مقام پیدا کیا ہے۔ توقع ہے کہ کتاب نہ صرف بلوچ بھائیوں کے لئے ایک قابل قدر اثاثہ ثابت ہوگی بلکہ ہر قوم کے لوگوں کے لئے تاریخ کے اَن دیکھے گوشے بے نقاب کرے گی۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ جناب مظہر علی لاشاری کی یہ کتاب ایک سلسلے کی پہلی کتاب ثابت ہوگی اور وہ تحقیق و جستجو کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

سید خالد جاوید مشہدی

(ڈسٹرکٹ نیوز ایڈیٹر)

روزنامہ نوائے وقت، ملتان

مورخوں اور سیاحوں نے لفظ بلوچ کو دو مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اول تو اس کا اطلاق ان تمام مختلف النسل باشندوں پر ہوتا ہے جو اس جغرافیائی علاقے میں آباد ہیں جسے نقشے میں بلوچستان کہا گیا ہے۔

لفظ بلوچ کا تلفظ و املاء مختلف کیا جاتا ہے لیکن بلوچوں میں اس کا ایک ہی تلفظ مستعمل ہے یعنی بلوچ۔ ''ب'' مفتوح ''ل'' مضمہ ''وٗ'' مجہولہ اور ''چ'' موقوف۔ لیکن جدید فارسی میں واؤ مجہولہ کو واؤ معروف سے بدلنے کا رجحان عام ہے جس کا اثر مغربی بلوچستان کی بلوچی زبان پر بھی پڑا ہے۔ میرے خیال میں اس علاقے کے لوگ ''بلوچ'' کا تلفظ واؤ معروف کے ساتھ کرتے ہیں۔ واؤ مجہولہ کی آواز تاریخی طور پر قدیم تر ہے اور فارسی کی پرانی لغات میں اس کی سند ملتی ہے۔

لفظ بلوچ کے پہلے حرف کو زیر کے ساتھ بولنے کا رواج ہندوستان میں عام ہے لیکن خود بلوچ قبائل اس تلفظ سے آشنا نہیں۔ چنانچہ اوضاع تلفظ بلوچ (Baluch) اور بلوچ (Baloch) ان منتشر بلوچ گروہوں کے لئے جائز قرار دیئے جاسکتے ہیں جو اپنے آبائی علاقے سے کٹ کر ہندوستان کے مختلف خطوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

اس کے ساتھ جو تلفظ بلوچی وضع کیا گیا ہے وہ محض اس زبان کے لئے مستعمل ہے جو یہ قبائل بولتے ہیں اس لفظ کو بلوچ کی صفت سمجھنا غلط ہے۔ نیز اسی لفظ کا صیغۂ جمع ''بلوچاں'' ہے لیکن عموماً اس کا اطلاق بلوچ قبائل کے ایک فرد یا پوری نسل پر ہوتا ہے۔

صدیوں سے سندھ اور پنجاب کے تمام علاقوں میں بلوچ پائے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں ان کا نفوذ ان تاریخی ادوار کی یاد دلاتا ہے جب بلوچوں کے دو مشہور بلوچ قبائل رِند اور لاشاریوں کی آپس میں گوہر نامی ایک خوبرو عورت کی خاطر لڑائی شروع ہوئی تھی اور یہ لڑائی وقفوں کے ساتھ پورے تیس سال تک جاری رہی تھی۔ مکران اور سیستان کے قبائل کا

ڈھانچہ کم وبیش وہی ہے جو کوہ سلیمان کے آس پاس بسنے والے قبائل میں مروج ہے۔ بہت سے قبائل نام مثلاً رِند، ہوت، لاشاری، مگسی، بلیدی دونوں علاقوں میں رائج ہیں۔

بلوچوں میں ابھی تک قبائلی نظام برقرار ہے ان کا علاقہ کوہ سلیمان کے جنوب میں اکتیسویں عرض بلد سے شروع ہو کر کچھی کے میدان تک پھیلا ہوا ہے مغرب کی جانب اس کی حدود درّہ بولان تک ہیں۔ کچھی کا میدان (ہمارے نقشے میں گنداواہ یا کچ گنداواہ کا نام دیا گیا ہے) اسی علاقہ میں شامل ہے۔ کچھی کے مشرق میں دوسری جانب کوہ سلیمان اور دریائے سندھ تک پھیلا ہوا علاقہ بھی کم وبیش سلیمانی بلوچوں کا مسکن ہے۔ قبیلے کو تمن کہا جاتا ہے اور قبیلے کے سردار کو تمن دار، سرداری موروثی ہوتی ہے اور سردار پاڑے سے پشت در پشت مقرر ہوتا ہے۔ ہر تمن میں کئی پاڑے (یہ ایک سندھی لفظ ہے جس کے معنی شاخ ہے) ہوتے ہیں اور پاڑے کی تحتانی تقسیم پھلی کہتے ہیں۔

تمن [1] ترکی زبان کے لفظ ''تومان'' سے ہے جس کے معنی ترکی زبان میں دس ہزار ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا پہلی مرتبہ سلجوقی سلطانوں کے زمانہ میں اس لفظ کا استعمال فارس کے خانہ بدوش قبیلوں کے لئے کیا گیا تھا۔ بلوچوں میں اس کا استعمال فارس کے خانہ بدوش قبیلوں کے لئے کیا گیا تھا اور بلوچوں میں اس کا استعمال زیادہ پرانا نہیں۔ ان نظموں میں اس لفظ کا سراغ نہیں ملتا جو پندرہویں صدی میں لاشاری اور رِندوں کی جنگوں میں لکھی گئی تھیں۔ قبیلے کے لئے قدیم ترین لفظ بولک ہے۔ یہ بھی تمن کی طرح ترکی نژاد ہے۔ (ترکی میں ''بلوک'' کے معنی ایک گروپ کی شکل میں آتے ہیں، تمن کی تشکیل مختلف قبائل کی آپس میں رضامندی اور سردار کی اطاعت پر ہوتی ہے۔ ایک پاڑے کے افراد، ایک باپ دادا کی اولاد ہوتے ہیں اور قاعدے کے مطابق تمن کا رہط چند ایسے

1 بحوالہ کتاب ''بلوچ قبائل'' اردو ترجمہ کامل القادری، مصنف ایم ایل ڈیمز، اشاعتی ادارہ نساء ٹریڈرز، کوئٹہ سن اشاعت 1983ء۔

پاڑوں سے تشکیل پاتا ہے جو باہمی طور پر خون کے رشتے میں ایک دوسرے سے پیوند سمجھے جاتے ہیں۔

بلوچوں کی قدیم شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں چوالیس (44) بولک تھے جن میں سے چالیس بلوچوں کے تھے اور چار غلام قبیلوں کے۔ ان بولکوں کی مکمل فہرست تو ہمیں میسر نہیں ہو سکی تاہم قدیم ترین نظم میں سترہ (17) بلوچ قبائل اور تین غلام پاڑوں کا ذکر آتا ہے اور بعض دیگر رزمیہ نظموں سے چند مزید بولکوں کا بھی پتہ چلتا ہے جو سب ملا کر چوبیس بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے قبائل کا بھی نام ملتا ہے جن سے بلوچ جنگ کرتے رہے ہیں۔ ان میں لانگا، ناہڑ شامل ہیں ان میں اکثر اب نام نہیں رکھتے جبکہ بہت سے پاڑوں کی شکل میں موجود ہیں اور منظم تمن کی حیثیت میں نہیں ہیں ان میں سے تمن کی حیثیت میں جو باقی ہیں وہ رِند، لاشاری، دریشک، مزاری، ڈومکی، کھوسہ اور لغاری ہیں۔

بلوچوں میں دراصل پاڑے کی بجائے تحتانی تمن قبیلے کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اپنی اہم شاخیں ہوتی ہیں جن کے لئے یہ لازم نہیں کہ یہ سب ایک ہوں بعض مرتبہ ایک سے زیادہ پاڑے اس حیثیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں آسانی کے لئے تحتانی تمن کہہ سکیں جس کی مثال گورچانی قبیلے میں لاشاریوں کی اور درکانیوں کی لی جا سکتی ہے۔ بزدار قبیلے میں غلامانیوں کی مثال ہمیں نظر آتی ہے یہ تحتانی تمن بہت زیادہ آزاد ہیں اور اپنے تمندار کے بمقابلہ عام پاڑوں کے زیادہ اطاعت گزار ہیں۔

بلوچ قبائل اپنے سردار کی اطاعت زیادہ کرتے ہیں اور اگر سردار اچھا ہو، محبت کرنے والا ہو، فیاض ہو تو پھر وہ آسانی کے ساتھ بلوچوں پر حاکم بن سکتا ہے۔ بلوچ فطری طور پر خانہ بدوش ہیں اور اب بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتے رہتے ہیں لیکن اب ان کا رجحان کھیتی باڑی کی طرف زیادہ ہے یہ لوگ بستیاں بسا کر آباد ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اس کے باوجود شہری زندگی انہیں زیادہ راس نہیں آتی۔ گو تمن دار کی ایک مستقل جائے

رہائش موجود ہے لیکن یہ اقامت گاہ آبادی کا مرکز نہیں بن پاتی۔ جہاں سردار نے اقامت اختیار کی وہ جگہ پہلے ہی سے ایک شہر کی حیثیت رکھتی ہے انہیں کھلی فضا زیادہ پسند ہے ان کی بستیوں میں پتھروں اور گارے کے بنے ہوئے گھر ہوتے ہیں پہاڑوں میں جہاں ان کی آبادی خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے ان لوگوں کی بستی جنہیں بلوچی میں بلک کہتے ہیں ایک احاطے کی شکل میں ہوتی ہے۔[2] جنہیں پتھروں کی اونچی دیواریں کھڑی کر کے تعمیر کرلیا جاتا ہے جب بلوچ کسی چراگاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو چٹائیوں کی چھتیں لپیٹ کر ساتھ لے لی جاتی ہیں اور دیواریں دوبارہ استعمال کے لئے رہنے دی جاتی ہیں۔

اونٹ، گائے، بکریاں اور بھیڑوں کے گلے ان کی اصل دولت ہیں یہ لوگ قالین سازی اور کشیدہ کاری کے فن سے بخوبی آشنا ہوتے ہیں جسے دیکھ کر ہر شخص ترکمان قبیلے سے ان کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ خیال گزرتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں ان کا کوئی نہ کوئی تعلق اس قبیلے سے ضرور رہا ہوگا۔

یہ ہیں بلوچ قبائل جن کا ذکر اکثر و بیشتر سیاحوں اور سرحدی افسروں نے بہ تفصیل کیا ہے جن میں پوٹنگر، فریئر اور میسن سے لے کر سرٹی ہولڈچ، ڈیمز اور میجر مولس ورتھ سائیکس وغیرہ شامل ہیں۔ اب میں جس مسئلہ پر غور کرنا چاہتا ہوں وہ دراصل اس قابل ذکر نسل کی تاریخ اور حسب و نسب ہے دوسرے لفظوں میں یہ معلوم کرنا ہے کہ انسانی نسل کی کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور موجودہ علاقے میں جہاں وہ آباد ہیں ان کا نفوذ کب اور کیونکر ہوا۔ محققین کی متنوع آراء کی روشنی میں ان کے حسب و نسب کے متعلق مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔ (1) یہ نسلاً ترکمان ہیں اس خیال کی وکالت پوٹنگر[3] اور خانیکوف نے کی ہے۔ (2) یہ نسلاً عرب ہیں، غالباً یہ نظریہ سیاحوں نے عمومی طور پر پیش کیا اور سرٹی ہولڈچ

---

2 ایم ایل ڈیمز کی کتاب ''بلوچ قبائل'' صفحہ نمبر 19، سن اشاعت 1980ء، اصل کتاب Sketch of Baloch Race سن اشاعت 1904ء۔

3 بحوالہ پوٹنگر کی تصنیف ''سفر بلوچستان'' مطبوعہ [illegible] اشاعت 1816 [illegible]

نے اس کی نہایت شد و ملاء سے وکالت کی ہے۔ (3) یہ نسلاً راجپوت ہیں، اس خیال کا اظہار ڈاکٹر بیلو نے کیا ہے۔ (4) یہ نسلاً ایرانی ہیں، اس خیال کی تائید سر آر برٹن، لیسن، اپیگل اور دوسروں نے کی ہے۔ یہ مختلف نظریات ہیں جو یورپی مورخین نے اپنے نقطۂ نظر سے بلوچوں کے بارے میں بیان کئے ہیں لیکن کسی ایک مورخ نے بھی آپس میں اتفاق نہیں کیا بلکہ مختلف نظریات بیان کئے ہیں۔ اب اس بارے میں سب سے پہلے میں ڈاکٹر بیلو کے نظریہ کہ بلوچ راجپوت ہیں اس کی وضاحت کرتا چلوں کہ یہ نظریہ ڈاکٹر بیلو نے سراسر غلط نتائج سے اخذ کیا ہے۔ راجپوتوں کے ساتھ بلوچوں کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ راجپوت خالص ہندوستانی قوم ہے جبکہ بلوچ شام کے علاقہ حلب سے آئے ہوئے ہیں اور تاریخی طور پر ان دونوں قوموں کے رسم و رواج تہذیبی خد و خال چہرے مہرے سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ راجپوت اور بلوچ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ بلوچوں[4] کا اصل مسکن حلب اور بحر کیپین سے شروع ہو کر ایران اور پھر کیچ مکران ہی رہا ہے جبکہ ہندوستان میں ان کی آمد کا سلسلہ پندرہویں صدی میں شروع ہوتا ہے اور اس زمانہ میں ان کی اس ہجرت کا سبب رِندوں اور لاشاریوں کی آپس میں خانہ جنگی تھی۔ وگرنہ اس سے پہلے تو بلوچ کہیں بھی ہمیں ہندوستان میں نظر نہیں آتے اس لئے ڈاکٹر بیلو کا نظریہ بالکل غلط اور جھوٹ پر مبنی ہے۔

اب اگر پوٹنگر کے نظریہ کو دیکھیں تو وہ بلوچوں کو ترکمانوں سے ملاتا ہے۔ یہاں پر پوٹنگر بلوچوں کے چہرے میں عربوں کے خد و خال کو نظر انداز کرتا ہے اور زیادہ زور ترکمانوں اور منگولوں پر دیتا ہے جو کہ کسی بھی صورت میں آپس میں مناسبت نہیں رکھتا۔ ہاں ایک بات میں بلوچوں کے اندر ترکمانوں کی جھلک ضرور نظر آتی ہے اور وہ ان کے رسم و رواج اور خانہ بدوش پن ہے لیکن یہاں پر یہ بات بھی مدنظر رکھی جائے کہ صحرائی علاقوں میں

---

4 دیکھئے ڈیمز کی کتاب The Ethnography & Historical Sketch of Baloch Race، مطبوعہ دہلی، سن اشاعت 1904ء، صفحہ نمبر 29۔

اکثر خانہ بدوش قبائل کے رسم و رواج تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں یہ اثر ان پر آپس میں اکٹھے رہتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے اس لئے ضروری نہیں کہ یہ ترکمان ہیں ۔ یوں تو بلوچ تاریخ میں متعدد بار متعارف ہوتے رہے لیکن تاریخ میں ان کا متعارف ہونا زیادہ مشہور اشکانیوں کے زمانے میں ہوا۔ وہ اشکانیوں کی طرح گھڑسوار اور تیرانداز بھی ہوتے ہیں اور بہادری اور جرات میں بھی ان سے کسی درجہ کم نہیں ہوتے ۔ اب ذرا اس نظریہ کی تشریح کہ بلوچ عرب ہیں اور یہ قیاس بلوچوں کے چہرے، ناک اور عادات خصائل کو دیکھتے ہوئے لگایا جاتا ہے کیونکہ بلوچوں کی ناک لمبی ہوتی ہے ایسی ناک عموماً یہودیوں کی ہوتی ہے اسی بناء پر انہیں عرب یا سامی النسل سمجھا جاتا ہے جبکہ ادھر کرنل اس موکلر کے مقالہ (مطبوعہ جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1895) بعنوان ''بلوچوں اصلیت'' میں وہ رقم طراز اس طرح سے ہوتا ہے کہ بیشتر بلوچ قبائل مکران کے باشندے ہیں اور یونانیوں نے جس علاقہ کو گدروسیا لکھا وہیں سے بلوچوں کا تعلق ہے اور یہ کہ رند ہرگز بلوچ نہیں بلکہ وہ علافی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''اور یہ عرب ہیں'' ۔ کرنل اس موکلر کا خیال ہے کہ رند الحارث علافی کی اولاد ہیں اور الحارث نے حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت علم بلند کیا تھا اور بہت سی لڑائیوں کے بعد آخر کار سندھ کی جانب فرار ہوگیا۔ دو سال تک اس کی اولاد سندھ میں مشہور رہی۔ کرنل موکلر نے یہاں پر رندوں کے ساتھ اور بھی قبائل کو عرب کہا ہے لیکن اس نظریہ کے بارے میں کوئی اور قابل ذکر شہادت نہیں ملتی کہ رندوں کو بلوچوں سے الگ کیا جائے کیونکہ بلوچوں کی ابتداء تو ان دو قبائل رند و لاشار سے ہوتی ہے بلوچوں کے نسب کے متعلق غلام رسول خان کورائی اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ

''بلوچ عربستان میں شروع سے ہی موجود تھے [5] اور وہ حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد سے ہیں جو حضور اقدس کے چچا تھے۔ حضرت امیر حمزہؓ نے پریوں کی قوم میں سے ایک پری

5 [illegible] کتاب ''تاریخ بلوچیاں'' از مصنف غلام رسول خان کورائی، صفحہ نمبر 12۔

کے ساتھ شادی کی جس کے بطن سے ایک لڑکا بدیع الزماں پیدا ہوا، اسی بدیع الزماں کا ہر لچہ نامی ایک بیٹا تھا جس کو اس وقت ڈومبکی بلوچ اپنا نسب شمار کرتے ہیں ہر لچہ کا ایک لڑکا مظاہر تھا، مظاہر کے دو لڑکے تھے جن کے حبیب و مختار تھے ان میں سے حبیب بن مظاہر کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؓ کی طرف سے یزیدی فوجوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے ۔ اب دوسری طرف رائے بہادر ہیتو رام بھی بلوچوں کے شجرہ نسب کو خاندان قریشی امیر حمزہؓ سے ملاتا ہے اور یہ حوالہ اس نے ڈومبکیوں کے قدیم بلوچی اشعار سے لئے ہیں۔

1 شکر الحمد [6] گذاران بادشاہ ملک تمیں — یک وتھ کھوشتی مہ ملکا اے جہان خان گل ایں
اللہ تعالیٰ کا شکر جو آپ ملک کا بادشاہ ہے — وہ واحد اور قائم کرے گا تمام جہان مٹی میں فنا

2 ما مریدوں یا علی اے دین ایمان پشتیں — حمزہ اولاد بلوچی ہوب درگاہ گردین
ہم بلوچ حضرت علی کے مرید ہیں ہمارا دین ایمان ثابت ہے — بلوچ امیر حمزہ کی اولاد ہیں ان کو درگاہ سے فتح ہوئی

3 از جلبا پہاز کھایوں گوں یزیداں جھیڑویں — کل بلا بھمپورنیا ماشہر سیستان مریفں
جب یزید نے امامین سے کربلا میں جنگ کی تو ہم نے حلب سے کوچ کیا — پہلے کربلا اور پھر سیستان کے شہر میں منزل کی

اب یہاں پر جو سب سے بڑا مغالطہ ڈومبکیوں کے اشعار میں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر حمزہؓ کی کوئی اولاد نہ تھی اور غلام رسول کورائی کو بھی یہی مغالطہ لے ڈوبا کیونکہ ہمیں اسلامی تاریخ میں کسی بھی جگہ یہ واقعہ نہیں ملتا کہ حضرت امیر حمزہؓ نے بھی کسی جگہ غیر آدم زاد پری وغیرہ سے شادی کی ہو۔ دوسری دلیل کہ بلوچ ظہورِ اسلام سے بہت پہلے شام حلب کے راستے عرب کے پہاڑوں میں آباد ہو چکے تھے جبکہ حضرت حمزہؓ نے جن خواتین سے شادیاں کی تھیں (1) بنت الملہ (2) خولہ بنت قیس (3) سلمٰی بنت عمیس، ان سب میں سے ان کی اولاد بھی ہوئی جن میں ابویعلی، عامر، عمارہ وغیرہ شامل تھے اس طرح ڈومبکیوں کا یہ دعویٰ

6 مندرجہ بالا اشعار مشہور بلوچ مصنف مولائی شیدائی کی کتاب ''سرزمین بلوچ'' صفحہ نمبر 80، اشاعتی ادارہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے اخذ کئے گئے۔

کہ بلوچ حضرت امیر حمزہ کی اولاد ہیں سراسر غلط ہے۔

''اب یہ نظریہ کہ بلوچ ایران نژاد ہیں تو اس کے بارے میں جو رائے ایم ایل ڈیمز نے اپنی کتاب بلوچ قبائل میں بیان کی ہے وہ زیادہ تحقیق پر مبنی لگتی ہے اور اس میں حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے حقیقت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ ڈیمز نے لکھا7 کہ علم الانسان کے جدید ماہرین ایران کے مشرقی علاقہ کے باشندوں کو آریائی نسل کی شاخ بتاتے ہیں جبکہ لفظ آریہ خود واضح نہیں ہے لیکن اس کا اطلاق کاکیشیا کے باشندوں کی اس شاخ پر ہوتا ہے جسے ہومو الپنس کہتے ہیں اور جو وسطی یورپ اور ایشیائے کوچک سے کوہ ہندوکش کے بالائی علاقے تک پھیلی ہوئی ہیں اس نسل کے ایک انتہائی نمایاں خصوصیت ساخت کی کھوپڑی ہے۔''

جس کی خالص ترین مثالیں ترکستان کے تاجکوں اور ہندوکش کے غلچاؤں میں ملتی ہیں بلوچ اسی نسل کی ایک شاخ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے متعلق یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ مکران کے موجودہ علاقے اور ہندوستان کے سرحدی خطوں میں سطح مرتفع فارس کی شمالی اور مغربی اطراف سے آئے ہیں۔ جہاں ان کا اختلاط ظاہر ہے کہ چند ایرانی خانہ بدوش قبائل مثلاً آج کل کے بختیاری قبائل سے ضرور ہوا ہوگا۔

وہ اپنے ساتھ ایسی زبان لائے جس کا ماخذ قدیم فارسی تھا یہ زبان مغربی علاقوں کی فارسی کے مقابلے میں باختر میں بولی جانے والی پرانی فارسی زبان سے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ جس علاقہ کو انھوں نے نئے وطن کی حیثیت سے قبول کیا وہ ہمیشہ سے فارس کی بجائے ہندوستان کا ایک علاقہ شمار ہوتا تھا۔ اس علاقے میں ہمیشہ سے ہندوستان کے قبائل مثلاً راجپوت، جاٹ، میڈ (Med) آباد تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کے بعد بھی اس تعلق میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا لیکن بلوچ آج بھی اپنے سروں کی ساخت کے لحاظ سے گول کھوپڑیوں کی حلقہ بندی (Brachy Ephaly) سے تعلق رکھتے تھے حالانکہ شمالی

[7] ... کتاب ''بلوچ قبائل'' صفحہ نمبر 23، اردو ترجمہ کامل القادری، کوئٹہ، سن اشاعت 1983ء۔

علاقے میں بسنے والے افغان مشرق میں آباد ہندوستانی قبائل اور خلیج فارس اور جنوب کی طرف کے عرب سروں کی ساخت کے لحاظ سے بیضوی کھوپڑی کی حلقہ بندی (Dobchoc Ephalic) میں آئے ہیں۔ ایم ایل ڈیمز کے مطابق عربوں کا کیفلک انڈکس 74ء تا 76ء ہے اور افغانوں کا بھی قریباً یہی ہے۔ ہندوستان کے قدیم باشندے اس سے کم تر درجہ کا انڈکس رکھتے ہیں۔ مسٹر ریسلے کی تحقیق کے مطابق صوبہ سرحد کی 23 ذاتیں اوسطاً 8 تا 72 اور پنجاب کی 7 ذاتیں اوسطاً 1 تا 73 کے زمرے میں آتی ہیں۔

اگر ہم سندھ پار کے اضلاع کے بلوچوں پر اپنے تخمینے کی بنیاد رکھیں 8 کیوں کہ اسی علاقے کی آبادی بلوچ نسل کی نمائندگی کرتی ہے تو یہ انڈکس 8145 ٹھہرے گا۔ یہ خصوصیات ایک اعتبار سے بڑی اہم ہے کیونکہ شمالی پاکستان کے 2 ہزار میل وسیع و عریض علاقے میں اتنا زیادہ کیفلک انڈکس نہیں ملتا۔ اس کی مثال یا تو دارجلنگ کے پہاڑوں میں بسنے والے تبتیوں میں ملتی ہے یا چٹاگام کے اس پار آباد نیم وحشی قبائل میں۔

سطح مرتفع فارس کے مختلف علاقوں میں بسنے والے تاجک قبائل کا انڈکس 81ء تا 84ء دروازی قبائل کا 4 تا 481 اور غلچا قبائل کا 85 ایم ڈی اجغالوی کے دیئے ہوئے اعداد و شمار کے مطابق بختیاریوں، کردوں اور گیلانیوں کا انڈکس علی الترتیب 84,86,88 ہے لیکن یہ اعداد و شمار زیادہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ موصوف نے اپنے تخمینے کی بنیاد صرف چند مثالوں پر رکھی ہے۔

جس کا موازنہ 9 ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع کے 45 بلوچ افراد کے گراف سے کیا جاسکتا ہے قبائلی نظام اور رواج کے اعتبار سے بلوچ یقیناً ترکمانوں سے زیادہ قریب ہیں لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ نسلی اختلاط نہیں ہوا ہے اس کے شواہد ہمیں ان

[8] ایم ایل ڈیمز کی کتاب ''بلوچ قبائل'' اردو ترجمہ کامل القادری، صفحہ نمبر 25، مطبوعہ کوئٹہ، سن اشاعت 1983ء۔
[9] ریسلے کی کتاب ''قبائل اور ذاتیں'' جلد اول و دوم، صفحہ نمبر 80 تا 82، سن اشاعت 1982ء۔

کے ناموں میں مل سکتے ہیں جو ان لوگوں کی زبان میں مستعمل ہیں مثلاً تمن، بولک، ال اور اولس قبیلوں کے لئے لاغ اور اولک، اولس (ترکی تلفظ اولاغ) بار برداری کے جانوروں کے لئے اور اسی طرح کچھ آدمیوں کے نام مثلاً چاکر، سنجر، زنگی وغیرہ غالباً یہ تعلق سلجوقی بادشاہوں کے عہد میں پیدا ہوا ہوگا۔

سرٹی ہولڈچ کے مقالہ ''ہندوستان کی سرحدوں پر آباد عرب'' جلد نمبر 19,18 پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر کینڈی نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ بہت ممکن ہے کہ بلوچ ان ساکاؤں کی اولاد ہوں جو درنگیانا میں آباد تھے اور بعد میں اس علاقے کا نام ساکاستان رکھا (اب یہ سجتان اور سیستان کے نام سے معروف ہے)۔ یہ بات ناممکنات کا درجہ نہیں رکھتی کہ بلوچوں کا تعلق ساکاؤں یا وسطی ایشیاء کی کسی دوسری حملہ آور نسل سے نہ ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ سر دست ہمارے سامنے اس قدر کافی شواہد موجود نہیں کہ کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ ایم ڈی او جفالوی بالتستان کے بالتیوں کو ساکا نژاد بتاتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ درّہ قراقرم کے راستے سے ہندوستان کے حملہ کے دوران ساکا نسل کے کچھ لوگ اس علاقے میں رہ گئے۔ بلوچ انہی کی نسل سے ہیں بالتی بھی بلوچوں کی طرح گھوڑے سواروں کی ایک نسل ہے جن کے بال گھنے اور گھنگھریالے ہوتے ہیں لیکن اس کے برعکس ان کی کھوپڑی کی ساخت بہت زیادہ بیضوی ہوتی ہے جس کا نہایت ہی چھوٹا انڈکس ہے یعنی محض 72ء اس کے باوجود بہر کیف ممکن تھا کہ ہم بلوچوں کو ساکا نژاد ثابت کر سکتے اگر ہمیں اس کے شواہد مل سکتے کہ کیا یہ سیستان تو نہیں۔ بلوچوں کا اصل مرزبوم تھا ہر چند پہلے میرا یہی خیال تھا لیکن تاریخی شواہد سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بلوچوں کا سیستان سے تعلق زیادہ پرانا نہیں اور یہ کہ ان کے مرزبوم کی تلاش میں ہمیں کچھ اور شمال کی جانب بحیرہ کیسپین کے آس پاس نظر دوڑانا ہوگی جہاں پر آج سے تقریباً 2400 سال پہلے بلوچ قوم کا سلسلہ نسب ہمیں قدیم تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ملتا ہے۔ بہر حال اگر بلوچوں کی نمود کسی غیر ایرانی نسل

سے ہوئی بھی ہو تو امتداد زمانہ سے یہ ایرانیوں میں جذب ہو چکے ہیں۔ بلوچوں کے ساتھ ساتھ وہاں جو عرب خاندان آباد ہوئے اس کا زمانہ غالباً کرمان و مکران کے دوران قیام ہو سکتا ہے ایسی صورتحال ایران، افغانستان، ترکستان اور شمالی ہندوستان میں ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن ایسی حالتوں میں عام آبادی پر معمولی اثر پڑا ہوگا ایسی ایک دو مثالیں عرب خدو خال کی شاید پیش کی جا سکیں اور مکران میں سیاحت کرنے والوں کی یہ عام رائے ہے کہ سردار خاندانوں میں عربوں جیسے خدو خال ضرور ملتے ہیں لیکن جہاں تک قبیلے کے مجموعی افراد کا تعلق ہے اور جنہیں سرٹی ہولڈچ ہندوستانی سرحدوں پر آباد عرب کہتا ہے ان میں عرب خدو خال مطلقاً نہیں پائے جاتے۔

اب ہم لفظ بلوچ پر مزید بحث کرتے ہوئے سرٹی ہولڈچ کے مقالے سے شروع کرتے ہوئے مسٹر کروک کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ بلوچ سنسکرت کے لفظ میلیچھ سے ماخوذ ہے لفظ بلوچ کے متعلق یہ خیال نیا نہیں۔ خان بوہلسن نے یہی بات بہت عرصہ پہلے کہی تھی اور لیسن نے اس خیال کی تردید یہ کہتے ہوئے کر دی تھی کہ یہ ایک بے دلیل دعویٰ ہے جس کی بناء محض قیاس پر ہے اس ضمن میں یہ دلیل بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہندوستانی سرحد یا مکران میں بلوچوں کی آمد سے بہت پہلے لفظ بلوچ مستعمل تھا یہ لفظ دسویں صدی کی عرب تاریخوں اور شاہنامہ فردوسی میں نظر آتا ہے چنانچہ ہندوستان کی بجائے فارس میں اس کا ماخذ تلاش کرنا چاہئے۔

اب ذرا لفظ بلوچ کے متعلق مختلف نظریات کی صورت میں ہندوستان کے مقامی باشندوں کا کہنا ہے کہ اس کی بناء ''بدلوگ'' ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے بلوچوں کا اپنا بیان یہ ہے کہ یہ لفظ ''بر۔لوچ'' کا بگاڑ ہے۔ بر بمعنی بیابان اور بلوچ بمعنی برہنہ، نیز ان کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر حمزہؓ کا ایک بچہ پری کے بطن سے ہوا تھا جو ایک لق و دق صحرا میں پڑا ہوا ملا اسی رعایت سے اس کی اولاد کا جو سلسلہ چلا اسے بُرلوچ کہتے

ہیں۔

آر بی ہتورام[10] ''بلوچی نامہ'' میں رقمطراز ہیں حلبی زبان میں ان لوگوں کو بلوچ کہا جاتا ہے جو پہاڑ کے دامن اور پہاڑوں پر سکونت اختیار کرتے ہیں۔کرنل ای موکلر اس لفظ کی ایک دوسری معروف وجہ تسمیہ بتاتے ہیں جس کی بناء پر بلوچ بداور روچ کا مرکب ہے جس کے معنی برے دن کے ہوتے ہیں۔میرے خیال میں یہ عرفیت بھی طنز و تضحیک کی پیداوار ہے اور یہ نام اس نسل کے باشندوں کو ان لوگوں نے دیا ہوگا جو ان کے نفوذ سے ابتلاء کا شکار ہوئے۔بہر کیف کرنل موکلر کا یہ اپنا خیال ہے کہ بلوچی زبان میں بدروچ یا بدروش ممکن ہیں کہ قدیم ترین پہلوی یا ژندزبان کے گذروش یا گدروش سے لیا ہو جس کی اصل یونانیوں کے رکھے ہوئے نام گذروسی یا گدروسی سے ہے ان کا کہنا ہے کہ بدلوچ دراصل بدروچ تھا۔''ر'' کا تبادلہ چونکہ عام طور پر ''ل'' سے ہوتا ہے اس لئے آگے چل کر یہ لفظ بدلوچ ہوا اور پھر ''د'' حذف ہوگئی اس طرح اس لفظ کی ابتدائی شکل بلوچ ہوئی جو گذروس سے ملتی جلتی ہے۔

بلوچ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی اسم معرفہ (یعنی ایک خاص نسل کا نام ''م'') کے علاوہ برہان قاطع اور دوسری نفات کی وضاحت تاج خروس یا کلغی ہے یہ ممکن ہے کہ شروع میں یہ عرفیت بطور طنز و تضحیک استعمال کی گئی ہے کہ ہمارے یہاں وگ اور ٹوری کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی دوسرے الفاظ جو بعض مذہبی فرقہ کے لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔شاہنامہ کے اشعار سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کیخسرو کی افواج کا ذکر کرتے ہوئے فردوسی بلوچوں کا نام گنا تا ہے جن کی سربراہی اشکش نے کی تھی۔

بلوچی ایک فارسی نژاد زبان ہے[11] اور اس کا رشتہ قریباً فارسی جدید سے ہے لیکن

10 مصنف آر بی ہتورام کی انگریزی تصنیف Dauies Trans of Balochi Name صفحہ نمبر 115۔

11 مصنف کا نام ایم ڈیمز، اردو ترجمہ کامل القادری، کتاب ''بلوچ قبائل'' صفحہ 41، اصل سن اشاعت 1904۔

اس کے ساتھ ساتھ ژند یا قدیم باختری زبانوں سے اس کی مشابہت نہ نسبت قدیم فارسی بہت زیادہ ہے بلوچی زبان کی فرہنگ کے کثیر الفاظ ایک طرف تو ہمسایہ علاقے میں سکونت پذیر فارسی زبان سے لئے گئے ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کی سندھی اور جٹکی زبانوں براہوئی زبان کے صرف چند الفاظ ہیں جس کے برعکس براہوئی زبان میں بلوچی کے بہت زیادہ الفاظ ہیں عربی زبان کا عنصر زیادہ نہیں سوائے ایسے مذہبی اور مجرد اصطلاحات کے جو تمام مسلمان قوموں میں مشترک ہیں۔ان میں سے اکثر فارسی زبان کے توسط سے آئی ہیں اگر عربی زبان کا اثر اہم اور حاوی ہوتا تو حکومت قبیلہ، تنظیم، جنگ، آلات حرب، گھوڑوں اور دیگر اس قبیل کے عربی الاصل نام ہیں جن سے ایک خانہ بدوش حاکم قبائل روزانہ سابقہ پڑتا ہے جس طرح انگریزی میں ایسے الفاظ نورمن فرنچ سے ماخوذ ہیں لیکن بمشکل ہی اس قبیل کا کوئی عربی زبان کا ملتا ہے حالانکہ سندھی زبان کے ایسے کچھ الفاظ موجود ہیں۔اس قبیل کے اکثر و بیشتر الفاظ ایرانی الاصل ہیں یا پھر کچھ ترکی زبان سے بھی ماخوذ ہیں۔

بلوچوں کے کچھ خاص نام بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں تمام مسلمانوں میں بڑی حد تک اپنے اصل ناموں کو ترک کر کے قرآن مجید سے نام رکھنے کا رواج پایا جاتا ہے مختلف برگزیدہ شخصیتوں، پیغمبر اسلام، خلفائے راشدین اور دیگر ایسی شخصیتوں کے نام پر نام رکھنے کا رجحان نہایت ہی واضح ہے جو اسلامی تاریخ میں مشہور ہیں۔

لیکن بلوچوں کے ناموں میں عربی عنصر زیادہ نہیں، مقامات کے نام بہت کم معلومات بہم پہنچاتے ہیں چونکہ مکران اور کوہ سلیمان کے علاقوں میں بلوچ نووارد ہیں اس لئے انھوں نے مقامات کے ناموں کو جوں کا توں برقرار رکھا، مقامات کی زیادہ تر نام ہندوستانی ہیں چند بلوچی نام پائے جاتے ہیں مثلاً شورآف (سرخ آب)، سیاہ آف (سیاہ آب) (آچھا) نفوشخ (سوتیلی ماں) دیغوار، گندکندف۔اسی طرح جن ناموں کے شروع میں ''گ، و'' کی (منسلک آواز آتی ہے، کہنا یہ چاہتا ہے کہ ''گ'' کی ہلکی آواز اور ''و''

کی پوری آواز پیدا ہوتی ہے)۔(م) آواز آتی ہے مثلاً گواور گوتر، گوجک، گورنخ۔ وہ بھی بلوچی زبان کے معلوم ہوتے ہیں اور جدید فارسی زبان میں یہ ''و'' اکثر ''ب'' سے بدل جاتی ہے اس قسم کے مجموعی ناموں کی تعداد بہت کم ہے۔

بلوچی زبان میں ایسے الفاظ کی کثرت ہے جو پہاڑی علاقے کی خصوصیات سے متعلق ہوتے ہیں مثلاً پہاڑوں، چشموں، وادیوں، پگڈنڈیوں، دروں اور چٹانوں کے متراوفات۔ ان میں سے عربی لفظ محض خور (Khawar) بمعنی پہاڑی نالہ کی گزرگاہ ہے عربی املاء خور ہے۔ عام عربی زبان کے الفاظ وادی اور جبل بحیرۂ فارس سے بحر اطلانتک تک سواحل پر یکساں مستعمل ہیں لیکن اندرون ملک میں نہیں بولے جاتے جس کی وجہ یہ ہے کہ سواحل پر یہ لفظ عرب ملاحوں کے ذریعے آیا۔

12 ایران کے مشہو[illegible]وسی کی شاعری کی صورت میں شاہکار کتاب ''شاہنامہ'' میں ذکر ملتا ہے۔

کچھ تاریخ وافسانہ پر نظر

تاریخ میں بلوچوں کا ذکر سب سے پہلے دسویں صدی عیسوی بمطابق چوتھی صدی ہجری کے عرب تذکرہ نگاروں نے کیا جبکہ ان سے قبل ایران کے مشہور شاعر فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کے حکم پر لکھے جانے والے شاہنامہ [12] میں بلوچوں کا ذکر کیا تھا، فردوسی نے شاہنامہ میں اس نظم کے اندر ساسانی بادشاہوں کا اور ان کے عہد پر فردوسی نے کیکاوس اور کیخسرو کی جنگوں کا ذکر کیا ہے اور ان میں بلوچوں کی بہادری کو بیان کیا۔ کیکاوس کے متعلق شاہنامہ میں فردوسی لکھتا ہے کہ اس کے پاس پارس، کوچ، بلوچ، گیلان اور دوسرے علاقوں کے لوگ فوجی ملازم تھے۔ اس میں وہ اشعار بھی صاف نظر آتے ہیں جن میں ان قوموں کا ذکر کیا گیا جس میں کیخسرو کو اپنی فوج جمع کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

تاریخی اعتبار سے نوشیرواں کا زمانہ 578ء تک شمار ہوتا ہے لیکن تاریخ میں خسرو کا ذکر زیادہ واضح ملتا ہے جس نے جیسٹین سے جنگ کی تھی۔ فردوسی نے اس جنگ کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور اس میں نوشیرواں کو اعلانیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف دکھاتا ہے جو بحر کیسپین کے قریب آباد تھے [13] اور پھر اچانک وہ انہیں دریائے سندھ کے کنارے پر دکھاتا ہے اور نوشیرواں ان کو فتح کر کے ہی واپس آتا ہے یہاں پر اسے اطلاع دی جاتی ہے کہ بلوچوں اور گیلانیوں کے لشکر نے ملک کے کئی حصوں میں لوٹ مار مچا رکھی ہے چنانچہ وہ ان کو اپنا مطیع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اس دوران اسے ایک کسان کی زبانی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل بابکان بادشاہ نے بھی ان وحشی بلوچوں کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا لیکن نوشیرواں نے ان کے پہاڑوں کا محاصرہ کرلیا اور اپنی فوج کو حکم دے دیا

12 ایران کے مشہور شاعر فردوسی کی شاعری کی صورت میں شاہکار کتاب ''شاہنامہ'' میں ذکر ملتا ہے۔

13 فردوسی نے شاہنامہ میں بلوچوں کو بحیرہ کیسپین کے ساحل پر دکھایا ہے، شاہنامہ کا قدیم نسخہ 102 ملاحظہ فرمائیں۔

کہ بلوچ کو خواہ وہ بچہ ہو یا جوان، قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی چنانچہ کوئی بلوچ زندہ نہ بچا اور ان کی شورش اور ترک تاز ختم ہوگئی۔ (یہ قدیم ترین نسخے کے مطابق ہے) لیکن موہل نے جس نسخے کا حوالہ دیا ہے اس میں ''ستم کردن ورنج'' کے بجائے ''ستم کردن کوچ'' ہے۔ بعد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلوچوں کو صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں گیا کیونکہ نوشیرواں کی فوج میں بدستور ان کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے۔ خاقان چین کے سفر کے خیر مقدم کے موقع پر وہ گیل کے سپاہ کے ہمراہ سنہری ڈھالیں لئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر یہ نظر آتا ہے کہ بادشاہ کے احباب اور فریقین (آزاد لوگ) آذر بادگان (آذر بائیجان) کی جانب ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جس میں گیلان ولمان بلوچوں کے پہاڑوں اور سروچ کے میدانوں کے دستے اور کوچ کے شمشیرزن شامل تھے پھر کچھ نسخوں میں نوشیرواں کے ہاتھوں بلوچوں کی شکست کے بعد لوگوں پر فوج کشی کی داستان بھی ملتی ہے یعنی بالفاظ دیگر گیلان اور آذر بائیجان پر بلوچوں کا بحیرہ کیسپین کی نسلوں سے یہ تعلق اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ان کا مرز بوم کرمان سے آگے شمالی اطراف میں کیسپین بحر کے آس پاس ہونا چاہئے جہاں ان کا ذکر دوبارہ ملتا ہے۔ فردوسی نے یہ بیان یقیناً روایات سے ماخوذ کیا ہوگا، اگر اسے اپنے عہد کے بلوچوں کا ذکر مقصود ہوتا تو وہ یقیناً کرمان اور لوط کے علاقے کا ذکر کرتا کیونکہ اس زمانے میں انہی علاقوں میں بلوچ آبادیاں تھیں اور یہ ان گزرگاہوں کے قافلوں کو لوٹتے تھے جو سیستان اور خراسان کی جانب جایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا کوئی خاص تعلق گیلان سے نہیں ہوسکتا تھا۔

فردوسی نے الفاظ بلوچ اور کوچ اکثر اوقات ایک ساتھ استعمال کئے ہیں لیکن یہ محض اس عہد کا ایک عام انداز گفتگو تھا۔ شاہنامہ کے قدیم ترین مسودے میں کوچ کا لفظ بہت کم ہے اور ان اشعار میں تو آتا ہی نہیں جن میں نوشیرواں کے ہاتھوں بلوچوں کی شکست کا ذکر ہے کیونکہ بلوچ اور کوچ کی ترکیب اس دور میں عام طور مروج تھی اور اس کی وجہ بالکل سادہ

ہے۔ ان دو نسلوں کے لوگ کرمان میں ایک دوسرے میں قرب میں آباد تھے اور ان کے مابین دوستانہ تعلقات قائم نہیں تھے۔

بلوچوں کی کرمان کو ہجرت کا سبب نوشیرواں کے ہاتھوں ان کی شکست تھی بلکہ زیادہ قرین قیاس یہ بات ہے کہ جیحوں کے باشندوں یا سفید ہنوں کی یورش نے جو اسی عہد کا ایک واقعہ ہے انہیں کرمان آنے پر مجبور کر دیا اس ہن قوم کو غلطی سے ہیتل (Hayital) کا نام دیا گیا ہے۔ عربوں نے کرمان 23ھ میں فتح کیا۔ نوشیرواں کی وفات کے 65 برس بعد یہ فوج کشی خلیفہ دوم کے حکم سے عبداللہ کی سپہ سالاری میں ہوئی تھی۔ عربوں کے حملوں کے وقت کرمان کے سلسلہ ہائے کوہ میں ایک ایسی نسل کے باشندے رہتے تھے جنہیں کوچ (عربی میں کونج یا قوفش) کہا جاتا تھا اور کچھ تحریروں میں بلوش بھی درج ہے۔ ان میں سے کوئی بھی مصائب الدرائے اس عہد کا یا قریبی عہد سے تعلق رکھنے والا نہیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے بلاذری نے قلم اٹھایا ہے جس کی وفات 279ھ بمطابق 892ء میں ہوئی۔ اس کے بعد طبری [14] نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب مصنفہ 320ھ بمطابق 932ء روشنی ڈالی پھر مسعودی نے اس کا ذکر کیا، ان کی تصنیف کے عہد کا تعین 332ھ بمطابق 943ء ہے اور مورخ اصطخری متوفی 340ھ بمطابق 951ء ہے۔ ان میں سے پہلے دو مورخوں نے اس فتح کا حال تحریر کرتے ہوئے محض کوچ یا بلوش کا ذکر کیا ہے مسعودی اور اصطخری جن کی تصانیف کا موضوع جغرافیہ ہے جو اپنے عہد سے متعلق لکھتے ہیں انھوں نے کوچ اور بلوچ دونوں کا ذکر کیا ہے ویل اپنی اپنی تصنیف (Geschicteder Chalifer) حصہ اول صفحہ نمبر 95 میں طبری کی مطابقت میں کونج یا قوفش کا ذکر کیا ہے۔ ایلیٹ اور ڈوسن (آئی 417) میں لکھا ہے کہ عبداللہ نے دارالسلطنت کرمان فتح کیا تو کرمانیوں نے بلوچ

---

14 طبری کا لکھا ہوا ترجمہ جس کو ڈیمبرگ نے عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا، وہاں سے ڈیمز نے نقل کیا، اردو ترجمہ کتاب ''بلوچ قبائل'' صفحہ نمبر 48 ملاحظہ ہو۔ سن اشاعت 1983ء، کوئٹہ۔

اور کوچ سے کمک حاصل کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہ بیان غالبًا تاریخ گزیدی کے حوالے سے لیا گیا ہے۔ اس تاریخ کی سال تصنیف 730ھ بمطابق 1329ء سے قبل ہرگز نہیں ہے لہٰذا زیادہ قابل اعتبار نہیں جغرافیائی معلومات کی روشنی میں بہترین صائب الدرائے اصطخری اور مسعودی ہیں نیز اس ضمن میں ادریسی کی گراں قدر تصنیف (843ھ بمطابق 1151ء) اور یاقوت کا روزنامچہ مولفہ 615ھ بھی کارآمد ہے لیکن یاقوتی قدیم تصانیف پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔

بلوچ کرمان میں چوتھی صدی ہجری میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے اور اس کا امکان تو ہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ تین سو سال پہلے جب عربوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا تھا تو یہ لوگ اس وقت بھی یہیں آباد تھے۔ بلوچ کوچوں کے علاقے کے قریب آباد تھے لیکن ان سے قطعی منفرد تھے مسعودی محض 15 یہ لکھتا ہے کہ وہ قوفش یعنی بلوچ اور جٹ (زط) کے متعلق کوئی صراحت نہیں کرسکتا جو علاقہ ہائے کرمان میں آباد ہیں اصطخری پوری تفصیل دیتا ہے، وہ بیان کرتا ہے کوچ پہاڑوں میں رہتے ہیں اور بلوچ صحرا میں۔ یہ دونوں نسلیں اپنی مخصوص زبان بولتی ہیں جو فارسی سے مختلف ہے۔ اس زمانے میں کرمانیوں میں عام بول چال کی زبان فارسی نہیں تھی اوسلے (Osely) 16 نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے اس کے مطابق جس ریگستان یا صحرا میں بلوچ آباد تھے وہ پہاڑ کے جنوب میں کرمان اور سمندر کی جانب واقع تھا اور عربی متن، ترجمہ یہ ہے

''کرمان کی شمالی سرحد مکران ہے اور مکران اور سمندر کے درمیان جو صحرا ہے وہ بلوشوں (بلوچوں) کی جانب جاتا ہے لیکن آگے چل کر لکھتا ہے کہ بلوش قوفش کے پہاڑوں

15 مسعودی کا عربی ترجمہ جس سے ڈیمز نے اپنی کتاب کے لئے حوالہ لیا، حصہ سوم، صفحہ نمبر 254۔
16 اوسلے کا ترجمہ جو ابن ہوقل نے کیا اصل مسودہ اصطخری کا فارسی میں ہے۔

کے مرتفع علاقے میں رہتے ہیں اور ان کے سوا کوئی ان پہاڑوں میں داخل نہیں ہوسکتا وہ بلاؤں کی طرح مویشی پالتے ہیں اور خیموں میں رہتے ہیں نیز ان کے علاقے سے گزرنے والے راستے محفوظ ہے''۔ مزید لکھتا ہے ''بلوش کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عربوں کے سلسلہ ہائے نسب سے ہیں اور اپنے سردار کے ماتحت رہتے ہیں ان کے جنوب میں ذرا آگے بڑھ کر ایک دوسری نسل کے لوگ رہتے ہیں جو کوچ اور بلوچ دونوں سے بدیہی طور پر مختلف ہیں۔ فارسی متن کے مطابق وہ ہرمز کے قریب پہاڑوں میں رہتے ہیں انھیں نسلاً عرب کہا جاتا ہے اور ان کا پیشہ راہزنی ہے''۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں قارن اور بارفین 17 پہاڑوں کے باشندے زرتشتی مذہب کے پیرو تھے انھوں نے اطاعت قبول نہ کی اور وہ قوفش پہاڑوں کے باشندوں سے زیادہ چالاک تھے یہ لوگ عباسی خلفاء کے زمانے میں دائرہ اسلام میں لائے گئے۔

اصطخری نے بھی بجستان کا ذکر کرتے ہوئے اس ملک کے صوبوں کی فہرست پیش کی ہے جن میں سے دو (نمبر شمار 19 اور 22) کو بلوچ (بلوص) کا ملک کہا ہے جس صحرا میں بلوچوں کی آبادی کے متعلق کہا گیا ہے درحقیقت وہ کرمان کے سلسلہ ہائے کوہ کے جنوب میں واقع نہیں معلوم ہوتا بلکہ وہ عظیم صحرا ہے جسے اب دشت لوط کہا جاتا ہے اور جو کرمان کے شمال اور مشرق میں ہے اور کرمان اور خراسان کو سیستان سے علیحدہ کرتا ہے اور یسی جو ایک محتاط مورخ تھا، لکھتا ہے کہ

''سلسلہ ہائے کوہ کوچ 18 میں وحشی نسل کے لوگ آباد ہیں ایک قسم کے کرد اور

17 اصل کتاب عربی میں جبال البارزة جہاں سے ایم لونگ نے اپنی انگریزی کتاب The Sketch of Baloch Race کے صفحہ 82 پر نقل کیا۔
18 اصطخری کی فارسی تصنیف ''سفرنامہ'' صفحہ 115، مطبوعہ ایران، قدیم نسخہ کے مطابق۔

بلوچوں کی آبادیاں کچھ تو شمال کی جانب اور کچھ مغرب کی جانب ہیں"۔

اس نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ

"وہ خوشحال ہیں، ان کے پاس مویشی وافر ہیں اور ان کے پڑوسی ان سے ہراساں رہتے ہیں وہ اس امر کی تصدیق بھی کرتا ہے کہ راہزنی نہیں کرتے۔ یاقوت مجموعی طور پر اوریسی کی تائید وتصدیق کرتا ہے، وہ بھی کوچ کا کردوں سے موازنہ کرتا ہے اور ایک عربی شعر پیش کرتا ہے۔ "ہم کس بیابان میں پہنچ گئے، جس میں زط (جٹ) کرد اور وحشی قوفش لوگ آباد ہیں"۔

الدوامنی کے حوالے سے وہ قوفش کے متعلق یہ یہ تفصیل لکھتا ہے کہ

"وہ قبل از اسلام کے یمنی عرب سلسلے سے ہیں اور ان کا کبھی کوئی مذہب نہیں رہا، خواہ مظاہر پرستی ہو یا اسلام"۔

وہ ان کو غیر مہذب اور وحشیوں کے نام سے یاد کرتا ہے اور اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان کو ہر حال میں ختم کر دینا چاہئے کیونکہ یہ اکثر لوٹ مار اور لڑائی میں مصروف رہتے ہیں اور اصطخری مزید لکھتا ہے کہ کوچ (قوفش) دراز قد گھنگھریلے بال اور چھریرے بدن کے ہوتے ہیں یہ خود کو عرب کہتے ہیں اور ہر قسم کے مظالم اور لڑائی کو جائز سمجھتے ہیں ان سے پہلے بلوش لوٹ مار کرنے والے قبیلوں میں شمار ہوتے تھے اس لوٹ مار اور جنگ وجدل کی وجہ سے ان کی لڑائی اعدادالدولہ کے ساتھ ہوئی تھی جس سے ان کی بڑی تعداد قتل ہو گئی تھی۔ قوفش اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں لیکن وہ دین پر اپنی مرضی سے چلتے ہیں یاقوتی بلوچ (بلوص) کے متعلق ایک الگ نظریہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے جس کے اندر وہ بلوچوں کی تعریف کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ وہ کردوں سے مشابہہ تھے اور فارس اور کرمان کے درمیان رہتے ہیں۔ جنگجو قوفش ان سے خوفزدہ رہتے ہیں جو ان کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بلوچ اپنے پڑوسیوں کی بہ نسبت زیادہ مہذب اور خوش حال ہیں، بکریوں کی

کھالوں یا بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور قوفشوں کی طرح لوٹ مار اور یورش نہیں کرتے۔

اعدادالدولہ دیلمی کے علاوہ اس کے چچا معیز الدولہ کی وفات 356ھ بھی کرمان کے ان قبائل پر یلغار کی جنہیں کچھ لوگ کرد بتاتے ہیں اور کچھ کوچ بلوچ لکھتے ہیں ان سے رزم آرائی کے دوران میں ان کا بائیں ہاتھ اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں جس کے بعد سے وہ اقطع کہلانے لگا۔

بلوچ یقیناً گھوڑے رکھتے تھے اور دُور دُور کے علاقے میں لوٹ مار کیا کرتے تھے جیسے ان کی اولاد اب تک کرتی رہی ہے وہ خراسان اور سیستان کے صحراؤں کو عبور کرتے تھے اور سیستان کے دو صوبے اصطخری کے زمانے میں بلوچ علاقے کے نام سے معروف تھے اس بات کا ثبوت ہے کہ بلوچ ان علاقوں میں اقامت گزیں ہو چکے تھے [19] محمود غزنوی کے عہد میں اس بادشاہ کے سفیر کو رومان جاتے ہوئے انھوں نے تبس اور خبیس کے مابین لوٹ لیا جس سے بادشاہ کا غصہ ان کے خلاف بھڑک اٹھا اور اس نے اپنے بیٹے مسعود کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس نے بالآخر انہیں خبیس کے پاس شکست دی۔ یہ مقام سلسلہ ہائے کوہ کرمان کے دامن میں صحرا کے آخری سرے پر واقع ہے۔ ایک دوسرے موقع پر ان راہزنوں کو ہلاک کر دینے کی یہ ترکیب کی گئی کہ زہر بھرے سیبوں کے کچھ باران کے علاقوں سے گزارے گئے جنہیں انھوں نے لوٹ کر کھا لیا (اس طرح بہت سے مر گئے)۔ تذکرہ میں اسے مناسب اور غیر اخلاقی منصوبہ سے تعبیر کیا ہے۔

فردوسی ان لٹیروں کے نام سے واقف تھا کیونکہ وہ اس زمانے میں خراسان کے ایک شہر طوس میں رہتا تھا جو مشہد کے قریب ہے۔ شاہنامہ کے جو اشعار عبارت میں پیش کئے گئے ہیں اور جن میں بلوچوں کا ذکر موجود ہے ظاہر ہے فردوسی ذات واقفیت پر مبنی ہوں گے

---

[19] مصنف ایلیٹ کی کتاب کا نام "تاریخ ہند" جلد دوم، صفحہ 193، 194۔

ممکن ہے کہ بلوچوں کی مستقل آبادی خراسان اور سیستان ہر دو جگہ ہو۔ فی زمانہ بھی، جیسا کہ لارڈ کرزن نے بتایا ہے کہ بلوچوں کی آبادی شمال میں تربت حیدری تک پھیلی ہوئی ہے۔

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مذکورہ بالا بیان (شاہنامہ کا بیان) کی تصنیف کے تھوڑے ہی عرصہ بعد تمام بلوچ کرمان سے ہجرت کر گئے اور قرائن بتاتے ہیں کہ مکران اور سندھ کی سرحد پر مستقل آباد ہونے سے پہلے ہی شروع چکی تھی جیسا کہ اصطخری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے جس میں اس نے سیستان کے صوبوں کے نام گنائے ہیں بعد میں طبقات ناصری کے مصنف نے بھی تحریر کیا ہے کہ اس نے سیستان کے ایک مقام گنبد بلوچ میں قیام کیا تھا۔ یہ اشارہ سرسری سہی لیکن اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ سیستان میں بلوچ آبادی موجود تھی لیکن تاریخ کے ابواب اس بارے میں خاموش ہیں کہ سندھ میں نفوذ سے بیشتر کہاں کہاں رہے، سندھ میں ان کے داخلے کا ذکر تیرہویں صدی کے وسط میں ملتا ہے۔

یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بلوچ نسل کے لوگوں نے دو مرتبہ نقل مکانی کی اور دونوں بار ہجرت کی وجہ ایشیا کے ایک بڑے علاقے میں نئے فاتحوں کی پیش قدمی تھی۔ پہلی ہجرت اس وقت ہوئی جب فارس کے سلجوقیوں کے ہاتھوں ویلمی اور غزنوی طاقت کا خاتمہ ہوا۔ اس موقع ان لوگوں کو کرمان چھوڑ کر مشرقی مکران اور سندھ کی جانب جانا پڑا۔ یہ ہجرت چنگیز خان کے اس علاقے میں حملوں اور جلال الدین منکبرنی کی ترک تازی کی وجہ سے ہوئی دوسری ہجرت کے نتیجہ میں انھوں نے پہلی بار وادی سندھ میں قدم رکھا جس سے ان کے لئے تیسری اور آخری ہجرت کا راستہ ہموار ہوا اور اس آخری ہجرت نے ان کے ایک بڑے حصے کو ہندوستان کے میدانی علاقے میں منتشر کر دیا۔ اس آخری ہجرت کا زمانہ ہندوستان پر تیمور لنگ کے حملے کا عہد اور پھر بابر اور بعد میں غزنوی بادشاہوں کے حملوں کا دور ہے۔ ہر چند تاریخی مواد کی کمی ہے لیکن اس کمی کو روایت سے ایک

حد تک پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہ روایات بلوچوں اور خاص کر کوہ سلیمان پر آباد قبائل سے ملتی ہے وہ واقعاتی اعتبار سے مکمل ہیں۔ ان روایات کا دارومدار قدیم زمانے کی رزمیہ نظمیں ہیں۔ تاریخی قدر و قیمت کے لحاظ سے ان نظموں کا سلسلہ اس عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ بلوچ سیستان میں قیام پذیر تھے اس سے پہلے کہ زمانے کے متعلق یہ روایت ہمیں صرف اتنا بتاتی ہے کہ بلوچ حضور اقدس ﷺ کے چچا امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں اور کربلا کے میدان میں یزید سے جنگ کی تھی لیکن امیر حمزہؓ سے سلسلہ نسب ملانے کی یہ کوشش محض اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے کہ مسلمان نسلوں میں شرفا کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب کسی مشہور ہستی یا کسی ایسی شخصیت سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہو مثلاً سندھ کے کلہوڑہ خاندان اور بہاول پور کے داؤد پوترا اپنے تئیں حضرت عباسؓ کی اولاد بتاتے ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد شیخ کہلاتے اور خود کو خالص قریشی النسل مشہور کرتے تھے۔

واقع کربلا اور سیستان میں بلوچوں کے قیام کے دوران کے بعد کا زمانہ ہے اور سیستان کے دوران قیام سے قصص کا آغاز ہوتا ہے۔ پرانی منظوم داستانوں میں بلوچوں کے متعلق مذکور ہے کہ وہ جب سیستان آئے تو وہاں کے بادشاہ شمس الدین نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی، کچھ عرصہ بعد ایک دوسرا بادشاہ بدرالدین برسراقتدار آیا جس میں ان پر مظالم کئے اور ان کو اپنے ملک سے نکال دیا گیا۔ فی الحقیقت سیستان میں شمس الدین نام کا بادشاہ ہوا ہے یہ بادشاہ سفاری خاندان کا ایک مطلق العنان حکمران تھا اور اس کی وفات 569ھ میں ہوئی۔[20] بتایا جاتا ہے کہ وہ بڑا ظالم تھا اور اس کی رعایا اس سے بہت نفرت کرتی تھی۔ عین ممکن ہے کہ اس نے بلوچوں کی خدمات اپنی فوجی قوت کو بڑھانے کے لئے حاصل کر لی ہوں کیونکہ وہ اس زمانہ میں ایک حد تک سیستان میں آباد ہو چکے تھے لیکن بدرالدین بادشاہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

20۔ کتاب کا نام "طبقات ناصری" مرتب کردہ ریورٹی، حصہ اول 189۔

ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ بدرالدین نے بلوچوں کے چوالیس (44) بولکوں سے مطالبہ کیا کہ ہر بولک ایک ایک لڑکی حرم شاہی میں داخل کرے، بولکوں نے بظاہر رضامندی کا اظہار کیا لیکن لڑکیاں بھیجنے کی بجائے انھوں نے چوالیس (44) لڑکوں کو زنانہ لباس پہنا کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کے عتاب سے بچنے کے لئے اس کی اقلیم سے نکل بھاگے۔ بادشاہ نے ان لڑکوں کو تو واپس کر دیا لیکن خود ان کے تعاقب میں کیچ مکران کی طرف روانہ ہوا جہاں سے بلوچوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔

قدیم روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بلوچ نسل بڑی بڑی شاخوں میں اسی زمانے میں تقسیم ہوئی کہ جب میر جلال خان ابن جنید بلوچوں کا حاکم تھا اس کے چار بیٹے ہوئے۔ رند، لاشار، ہوت اور کورائی۔ ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام جتو تھا اور جس کی شادی اس کے بھتیجے مراد سے ہوئی انہیں پانچوں میں سے بلوچ نسل کے پانچ بڑے سلسلہ ہائے نسب رند، لاشار، ہوت، کورائی اور جتوئی بنے لیکن کچھ قبائل ایسے بھی ہیں جنہیں ان سلسلہ ہائے نسب میں سے کسی میں شامل نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ان لوگوں کے اجداد کے نام کچھ شجرہ ہائے نسب میں درج کر لئے گئے ہیں۔ دو اور لڑکوں عالی اور بلو کا بھی ذکر ملتا ہے بلو کی اولاد بلیدی ہیں اور عالی کے دو بیٹوں غزان اور عمر سے غزانی مریوں اور عمرانیوں (جو اب منتشر حالات میں متعدد قبائل میں ملتے ہیں) کا سلسلہ ملتا ہے۔ اس بات کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا کہ تحفۃ الکرام میں جو شجرے دیئے گئے ہیں وہ معتبر و مستند معلوم نہیں ہوتے، میر جلال خان کے ان چار بیٹوں میں سے آگے دو نے بہت زیادہ ترقی کی اور انہی کی نسل سے آنے والی نسل متعارف ہوئی۔ رند، لاشار کی اولاد سے ہی قبیلوں کی بنیاد پڑی اور یہ چاروں بھائی اس دن علیحدہ علیحدہ ہو گئے کہ جس دن میر جلال خان اس دنیا سے رخصت ہوا اور اس کی تدفین کے بعد چاروں بھائیوں نے اپنے والد کی یاد میں الگ الگ رسوم ادا کرنے کے بعد بڑے بیٹے رند خان کو باپ کا جانشین تسلیم کرنے کے بعد بلوچی روایات کے مطابق اس کی دستار بندی

کی گئی اور چاروں بھائیوں رند خان، لاشار خان، ہوت خان اور کورائی خان نے اپنے باپ کی یادگار کے طور پر آسروخ گنبد تعمیر کرائے اس دوران ہوت خان اپنے دوسرے بھائیوں کے مد مقابل آ گیا۔ واضح رہے کہ ہوت خان جلال خان کی دوسری بیوی کے بطن سے تھا جو غیر بلوچ تھے۔ ہوت خان کی ہی اولاد سے مشہور لوک داستان سسی پنوں کا ہیرو پنو خان ہی وارث بنا تھا، سسی اور پنوں کی قبریں آج تک کیچ کے علاقہ میں موجود ہیں اور ان علاقوں میں سسی اور پنوں کا واقعہ سینہ در سینہ بلوچوں اور دوسرے مقامی لوگوں میں چلا آ رہا ہے۔ ہوت خان کے الگ ہونے کی وجہ سے چاروں بھائی بھی الگ ہو گئے اور اسی دن سے بلوچ ان چار قبیلوں میں تقسیم ہو کر پھر اپنے اپنے آنے والے اجداد کے نام سے مشہور ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن ان چار مرکزی قبیلوں رند، لاشار، ہوت اور کورائی نے آج تک اپنے اجداد کے نام پر اپنی قوم کے نام کو اپنی اصلی شناخت بنا کر قائم رکھا ہوا ہے بلوچوں کے ان چار قبیلوں بلیدیوں نے جو بلیدہ کے رہائشی تھے کچھ عرصہ بعد ان قبیلوں کے ساتھ شمولیت کی جبکہ دوسرے دو اور قدیم بلوچ قبائل غزانیوں اور عمرانیوں کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔

اب یہاں پر ایک اور اہم ترین قبیلہ کا ذکر کروں کہ جس کی نسل نے دو سو سال تک ضلع ڈیرہ غازی خان کے علاقہ پر حکومت کی یہ اہم ترین قبیلہ تاریخ میں دودائی کے نام سے مشہور ہیں اور اس کے لئے ہمیں تاریخ ہی کے حوالے سے ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ دودائی قبیلہ کس طرح سے بلوچوں میں شامل ہوا۔ اس قبیلہ کے متعلق انگریز مورخ ایم لونگ ڈیمز اپنی مشہور کتاب (The Ethnography and Historical Sketch of Baloch Race) میں رقمطراز ہے کہ دودائی ایک قدیم ہندوستانی نژاد قبیلہ ہے اور یہ بلوچ نسل میں اس وقت شامل ہوا جب بلوچ قبائل سندھ میں داخل ہو چکے تھے اس وقت سندھ پر راجپوت سومرہ خاندان کی حکومت جو عرب فاتحین کے بعد اس علاقے پر حکمران تھے۔ مختلف تاریخی تذکروں میں اس خاندان کے بادشاہوں کے ناموں کی ایک طویل فہرست موجود ہے جن

میں پانچ حکمران دودا کے نام سے آتے ہیں مذکورہ بالا فہرست بڑی حد تک نا قابل اعتبار ہے۔

دودا چہارم کا زمانہ تیرہویں صدی عیسوی کا درمیانی حصہ 650ء ہے اس بادشاہ کے والد خفیف کے دور حکمرانی میں بلوچوں کی ایک جماعت سندھ کے علاقہ میں داخل ہوئی اور سندھ کے قبائل سوڈھا اور جھریجا (جاٹوں) سے اتحاد قائم کرلیا۔ خفیف کے بعد جب دودا چہارم بادشاہ بنا تو بلوچوں نے جھریجا قبیلے کے ہمراہ مل کر دودا چہارم کی حمایت کرنا شروع دی اور سوڈھا قبیلہ نے اتحاد ختم کردیا۔ اس دودا سے اگلا بادشاہ عمر خان بنا اس طرح بلوچوں نے ایک بار پھر سمہ سوڈھا اور جٹ (جھریجا) قبیلوں سے اتحاد قائم کرلیا۔ ڈیمز مزید لکھتا ہے "بلوچوں کا یہ اتحاد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ سمہ قبیلے نے بادشاہ سے چند شرائط پر صلح کرلی، جبکہ دوسرے اتحادوں کو اطاعت قبول کرنا پڑی کیونکہ اس اطاعت کا مطلب یہ تھا کہ بلوچ قبائل واپس اپنے پہاڑی علاقوں میں چلے جائیں لیکن اس امر کی کوئی قابل قبول شہادت موجود نہیں کہ بلوچوں نے اس زمانے میں میدانوں میں مستقل سکونت اختیار کی ہو۔ دودا پنجم کے دورِ حکومت میں سومرہ خاندان کی بادشاہت کا خاتمہ ہوگیا اور اقتدار سمہ قبیلہ کے پاس آ گیا۔ سمہ قبیلے نے خاندان جام کی بنیاد ڈالی، یہ واقعہ غالبا تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر کا ہے اس زمانے میں دہلی پر علاؤالدین خلجی کی حکمرانی تھی، تاریخ معصومی میں اس کا سن تالیف 1600ء ہے۔ یہاں ایک اور تاریخی واقعہ دودا خان کی غیر معمولی صلاحیت سے متعلق ہے اور یہ لوک کہانیوں ہی سے واقعہ ملتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے پانی پیتے ہوئے دو سانپ نگل لئے تھے، دودا جو کہ جسم کے اندر دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا یہ سانپ سلطان محمود غزنوی کے پیٹ سے باہر نکال لئے۔ سلطان محمود غزنوی یہ کرامت دیکھ کر دودا پر بڑا مہربان ہوگیا اور اس نے خوش ہوکر دودا کو اس کی چھینی ہوئی سلطنت واپس کردی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ دودا اول کے بارے میں تھا کیونکہ اس کا

عہد وہی ہے جو غزنوی خاندان کی حکمرانی کا تھا"۔

اس کی وفات 485ھ میں بہ عہد مسعود سوئم ہوئی تھی۔[21] اس قصہ کے آغاز میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دودا نے اپنے دشمنوں سے جان بچا کر اپنی گھوڑی دریائے سندھ میں ڈال دی اور اس کو پار کیا تھا۔

اس حکایت کی طرف رجوع کرتے ہیں جو دودائی قبیلے کے آغاز سے متعلق بلوچوں میں مشہور ہے۔ دودا سومرہ کو اس کی برادری والوں نے ٹھٹھہ سے نکال دیا۔ اس نے جان بچانے کی خاطر اپنی گھوڑی دریائے سندھ میں ڈال دی۔ صبح ہوئی تو وہ سردی سے اکڑا ہوا ایک رند کی جھونپڑی کے قریب پہنچا، اس رند کا نام صالح تھا صالح نے اسے گھوڑی سے نیچے اتارا اور اسے اپنے ہاں پناہ دی۔ منظوم داستان میں یہ اشعار موجود ہیں

"یہ شخص جو پہلے محض ایک جٹ تھا، ایک جگدال تھا جس کی پہلی کوئی حیثیت نہ تھی ایک عورت کے طفیل بلوچ بن گیا۔ وہ پہلے پہاڑیوں کے دامن میں ہڑند میں رہتا تھا لیکن قسمت نے اسے سب کا سردار بنادیا"۔

اس کی اولاد آگے چل کر دودائی قبیلہ بن گئی اور جنوبی پنجاب کے علاقوں میں بلوچوں کے درمیان ایک مقتدر حیثیت کی مالک بنی۔ گورچانی یا گورشانی قبیلے کا نام اسی شخص کے بیٹے گورش پر پڑا۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ سومروں[22] کے زوال کے وقت اس قبیلے کی ایک ٹکڑی نے اپنے سردار دودا کی سرکردگی میں بلوچوں کی حمایت اختیار کرلی۔ بلوچ اس زمانے میں مکران کے اور سندھ کے قریب پہاڑوں میں آباد تھے۔ رفتہ رفتہ دودائی قبیلہ کے یہ لوگ بلوچوں کے ساتھ غلط ملط ہوگئے اور بعد میں بلوچوں کا ایک قبیلہ کہلانے لگے۔ اگرچہ شکل وصورت کے

21 رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا مجلہ، صفحہ نمبر 225، اشاعت 1892ء۔
22 ایم ڈیمز کی اردو کتاب "بلوچ قبائل" اردو ترجمہ کامل القادری صفحہ 64، اصل سن اشاعت 1904ء۔

لحاظ سے یہ لوگ بلوچ نظر آتے ہیں اور بلوچی زبان بولتے ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ گورچانی (جو دودائی نسل کا سب سے بڑا قبیلہ ہے) اصلی بلوچ نہیں ہے۔ دودائی قبیلے کی ایک دوسری اہم شاخ جو ایک عرصہ تک مقتدر حیثیت کی مالک رہی ہے، میرانی ہیں۔ ان کے سرداروں نے دوسو سال تک ڈیرہ غازی خان میں نوابی کی ہے لیکن اب یہ قبیلہ بھی پارہ پارہ ہو کر زوال پذیر ہو چکا ہے لیکن اس وقت ان کی یادگار مقبرہ غازی خان میرانی اس وقت بلوچ تہذیب کا نشان کی باقی ہے لیکن افسوس کہ مقبرہ غازی خان اس وقت روز بروز کھنڈرات میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے جبکہ میرانی قبیلہ بھی ڈیرہ غازی خان کے نواحی علاقوں میں بڑی تعداد میں آباد ہو چکا ہے اور اپنی بلوچی اَنا کے سہارے اپنے آپ تک اپنی نوابی قائم کئے ہوئے ہے ان میں ایک شخص محترم سرور کربلائی معروف شاعر بھی خاندان کے فرد شمار ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا پانچ ممتاز قبائل ان قبیلوں کے علاوہ جن کا ذکر آ پہنچا ہے، کچھ کم حیثیت قبیلہ اور بھی ہیں جو چوالیس بلوچ بولکوں کے زیر دست (Servile) چار بولکوں کی حیثیت رکھتے ہیں یہ گوپانگ دشتی، گادھی اور گھولو کے علاوہ چند اور بھی ہیں چنانچہ پندرھویں صدی میں ہندوستان پر حملے کے وقت بلوچ قوم مندرجہ ذیل عناصر پر مشتمل تھی (1) اصلی بلوچی نسل کے پانچ قبیلے یعنی رند، لاشاری، ہوت، کورائی (قرائی) اور جتوئی۔ (2) وہ گروہ جو بعد میں مکران میں ترتیب پائے مثلاً بلیدی، غزانی اور عمرانی۔ (3) دودائی۔ (4) زیر دست قبائل۔

اس دور کے بعد دو اور قبیلے بلوچوں کی برادری میں شامل ہوئے ایک تو مکران کے گچکی اور دوسرے سندھ کے جکرانی، ان کی شمولیت کا زمانہ کافی بعد کا ہے۔

ہومروں کے زوال کے بعد قریباً ڈیڑھ سو سال تک، سندھ میں بلوچوں کے متعلق کچھ اور سننے میں نہیں آیا، کبھی کبھار شورشیں ضرور ہوتی ہوں گی لیکن تاریخ میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے بعد دوسری بار ان کا ذکر جام تغلق (1432ء، 1450ء) کے زمانے میں ہوتا

ہے جبکہ اس نے بھکر کے قریب کسی مقام پر لشکر کشی کی تھی۔ اس زمانے میں چاروں طرف ایک افراتفری کا عالم تھا جس کی وجہ تیمور کا ہندوستان پر حملہ تھا اسی قسم کی افراتفری کا عالم سلجوقیوں اور چنگیز خان کی فتوحات کے بعد پیدا ہو گیا۔ دہلی کی تغلق بادشاہت کا رہا سہا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور چند کمزور بادشاہوں کے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہونے کی وجہ سے زمام حکومت لودھی افغانوں کے ہاتھ آئی تھی۔ ان کی سرحد طالع آزماؤں کے لئے یورش کے دروازے کھل گئے تھے ان حالات نے مختلف مقامات کے لوگوں کو ہندوستان پر فوج کشی کرنے کی ہمت دلائی۔ سب سے پہلے تو بابر اور اس کے ترک سرداروں کو جنہیں مغل کہا جاتا ہے اور جو مغل سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، دوسرے شاہ بیگ کی قیادت میں ارغونوں کو جنہوں نے سندھ میں ایک عارضی حکومت قائم کر لی اور تیسرے بلوچوں کو، جو کسی حکمران خاندان کے قیام میں تو کامیاب نہ ہوئے لیکن شمالی ہندوستان کی آبادی پر ان لوگوں نے گہرے نقوش چھوڑے۔ وہ بقیۃ الذکر دونوں حملوں کے نتائج سے زیادہ اہم تھے۔

قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے میدانی علاقوں میں نفوذ سے پیشتر قلات کا پہاڑی علاقہ جہاں اب بروہیوں کا تسلط ہے بلوچوں کے قبضے میں تھا۔ یہ بات کم از کم قرین قیاس ضرور ہے کہ بروہیوں کے ساتھ ان کی جنگوں نے انہیں آگے کے علاقے پر جانے پر مجبور کر دیا ہو۔ لیکن خود ان کی تاریخی روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مصنفین اس ضمن میں عام طور پر یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ قلات پر ایک ہندو قبیلہ سیوا نامی قابض تھا اس قبیلے نے بلوچوں کے حملوں سے بچنے کی خاطر بروہیوں کی خدمات حاصل کیں۔ بعض دوسرے مصنفین کا خیال ہے کہ بروہی اس علاقے کے اصل باشندے ہیں اور یہ خیال اس حقیقت پر مبنی ہے کہ بروہی زبان میں دراوڑی عنصر کا کافی اثر ہے لیکن خود بروہیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ بلوچوں کی طرف حلب سے آئے ہیں۔ ایک قابل توجہ نظریہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ

کرمان میں بلوچوں کے جو پڑوسی کوچ تھے وہی ہیں۔ کوچوں کو بارہا کردوں کے مماثل اور بعض اوقات کرد ہی بتایا گیا ہے۔ بروہیوں میں آج کل بھی ایک مقتدر قبیلہ کرد کے نام سے موجود ہے اور مزاری بلوچوں میں بھی ایک پاڑہ اسی نام کا پایا جاتا ہے۔ بلوچ بروہی زبان کو آج تک کرگالی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کرگالی کے معنی کردوں کی زبان ہے گو اصل کردی زبان سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔ کردی زبان ایران کے ایک علاقہ کی بولی ہے اور بلوچی سے کسی قدر مشابہت رکھتی ہے۔ موجودہ صورتحال میں یہ بات ایک امکانی نظریہ کی صورت میں پیش کی جاسکتی ہے کہ براہوئی مغرب کی جانب سے آئے ہیں اور قلات کے پہاڑی علاقے میں ان کی سکونت اور بلوچوں کی میدانی علاقوں کی طرف سے ان بلوچوں کا انقطاع جو مکران میں آباد ہیں اسی دور کا واقعہ ہے۔ ہجرت اختیار کرنے والے قبائل کا رخ اس بات کسی قدر شمال کی جانب تھا۔ کیونکہ ان کی منزل مقصود ملتان اور جنوبی پنجاب کا علاقہ تھا نہ کہ سندھ۔

راجپوت قبیلے لنگاہ[23] نے اپنے سردار سہرا (847ھ بمطابق 1443ء) کی زیر قیادت ملتان میں ایک خودمختار حکومت قائم کرلی تھی۔ بادشاہ بننے کے بعد رائے سہرا نے قطب الدین کا لقب اختیار کرلیا تھا۔ اس کے بعد 848ھ میں اس کا بیٹا شاہ حسین تخت نشین ہوا جس نے 908ھ بمطابق 1502ء تک حکومت کی۔ اسی دور حکومت میں بلوچ پہلی بار پنجاب میں آباد ہوئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ ملک سہراب دودائی اپنے تین بیٹوں یعنی غازی خان، فتح خان اور اسمٰعیل خان اور کثیر التعداد بلوچوں کے ہمراہ ملتان آیا۔ شاہ حسین نے بڑی ہمت افزائی کی اور انہیں ایک جاگیر کوٹ سے دھن کوٹ کے علاقے تک بخش دی۔ دوسرے بلوچوں کو جب اس جود وسخا کا علم ہوا تو وہ گروہ در گروہ پہنچنے لگے۔ رفتہ رفتہ سیت پور اور دین کوٹ کے تمام علاقوں میں بلوچ آباد ہوگئے۔ یعنی یہ کہنا چاہئے کہ دریائے

[23] کتاب کا نام ''تاریخ فرشتہ'' مصنف محمد قاسم فرشتہ، جلد دوم، صفحہ 380۔

سندھ اور چناب کے درمیان موجودہ ضلع مظفر گڑھ میں ان واقعات کی تصدیق ملتان کے بادشاہوں کے متعلق فرشتہ کی تاریخ اور طبقات ناصری[24] سے بھی ہوتی ہے۔ فرشتہ نو آمدہ لوگوں کو دودائی اور بلوچ دونوں ناموں سے یاد کرتا ہے وہ لکھتا ہے ''بلوچ کیچ مکران سے آئے اور ان دو بھائیوں کے فوراً بعد، جو سُمّہ قبیلے سے تھے جام بایزید اور جام ابراہیم اور جنہوں نے جام نندہ نظام الدین سندھ کے سُمّہ حکمران سے جنگ کی تھی وہ مہاجر کی حیثیت میں شاہ حسین کے پاس پہنچے اور اس سے جاگیریں حاصل کیں جو علاقے اُچ شریف، شور کوٹ اور جھنگ اس میں شامل تھے۔ جام بایزید نے نہایت اثر ورسوخ پیدا کرلیا اور شاہ حسین کی فوج کا تمن دار ہوگیا''۔ شاہ حسین کی وفات اور شاہ محمود کی جانشینی کے بعد وہ باغی ہوگیا، عارضی طور پر صلح ہوگئی مگر ملک سہراب دودائی اور جام بایزید کے درمیان اختلافات کی بہت بڑی خلیج حائل ہوچکی تھی یہ صورت حال بلوچوں کی دوسری آبادکاری سے پیوست ہے جو میر چاکر خان رِند کی سرکردگی میں ہوئی۔

قبائلی قصص سے پتہ چلتا ہے کہ میر چاکر کے دو بیٹے شہداد اور شیہک تھے۔ شہداد کی پیدائش کے متعلق ایک کرامت مشہور ہے اور یہ کہ اس کی ماں پر جنات کا سایہ ہوگیا تھا۔ بلوچی زبان میں ایک متصوفانہ نظم موجود ہے جسے شہداد کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ اس نظم میں ملتان شہر کے آباد ہونے کا ذکر ہے اسی طرح ایک دوسری نظم جس میں دِی کی عمارت گری کا ذکر ہے، شہداد کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔

[24] طبقات ناصری۔ جلد دوم

بلوچ تہذیب پر ایک نظر

بلوچوں نے جب مکران کو چھوڑ کر سیوی (سبی) اور گنداواہ میں نوآبادیاں قائم کیں تو اس زمانے کی تہذیب کا پتہ ان کے اشعار سے مل سکتا ہے اور خالص عرب کی بدویانہ تہذیب تھی انھوں نے شہر بسائے اور قلعے تعمیر کئے، اس وقت ان کے پاس بہترین دولت مویشی ہی تھے۔ چنانچہ میر شیھک جب سیوی (سبی) پہنچا تو اس کے پاس نو ہزار گھوڑے تھے اور بھیڑ بکری اور دنبوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا ان کی مستورات قلعوں میں رہتی تھیں اور وہ خود تنبو میں رہتے تھے اور یہاں ان کی کچہریاں لگتی تھیں۔ ان کے فرش قالین سے مزین تھے ان کے ہاں بالشت اور بستروں کی چادروں کا رواج تھا یہ تمام سامان ایران سے منگواتے تھے ان کے برتن زیادہ پیتل اور جست کے ہوتے تھے کیونکہ ان دنوں میں مکران برتنوں کی صنعت کاری کی وجہ سے مشہور تھا۔ امیروں کے پاس سونے اور چاندی کے برتن بھی تھے مگر اس وقت تمام بلوچ قبائل وقتِ رِند اور لاشاری سرداری کے ماتحت تھے۔

وہ پاؤں میں چمڑے کے لمبے بوٹ، بدن پر زرہیں اور سر پر فولادی نوک دار ٹوپیاں پہنتے تھے، ان کے فولادی ہتھیار چمکتے تھے، ان کے گھوڑوں کے زینوں پر پیتل کا عمدہ کام ہوتا تھا، ان کے کمر بند اور چمڑے کا سامان خوشبودار چمڑے کا ہوتا تھا جس پر سبز مخمل پر زردوزی کا کام ہوتا تھا۔ ان کے پاس تیر کمان، نیزے اور دودہائی تلواریں جنگ کے میدان میں ہوا کرتی تھیں اور یہ تلواریں زیادہ تر ایران، دمشق اور یمن کی ہوا کرتی تھیں اور اسلحہ کی تجارت زیادہ تر مسقط والوں کے ہاتھوں میں تھیں۔ شہسواری میں وہ کمال، چست و چالاک تھے، وہ باری باری حملہ کرتے تھے جب کامیاب نہ ہوتے تو ایک دم حملہ کر کے دشمن کو تباہ کر دیتے تھے۔ جیسا کہ سرہند اور پانی پت کے میدانوں میں انھوں نے کر دکھایا۔

جنگ کے میدان میں ان کے ساتھ قرآن کے قاری ہوتے تھے جو قرآن کی آیتیں

پڑھتے تھے۔ رِند و لاشار کی جنگ میں پچاس قرآن کے حفاظ تھے جن کی لاشوں کو ڈولیوں میں اٹھا کر انھوں نے سپردِ خاک کیا تھا۔ صلح کے وقت وہ چوغے، دستار اور کمر میں قیمتی شالیں لپیٹ کر محفل میں بیٹھتے تھے، ان کی کمر میں خنجر آویزاں رہتے تھے اور وہ زلفوں اور کپڑوں پر عطر ملتے تھے جو اکثر وہ قندھار سے منگواتے تھے۔ اس لئے جب کسی سردار کی محفل گرم ہوتی تھی تو چاروں طرف خوشبو پھیل جاتی تھی۔

امیروں کی عورتیں کم خواب اور زربفت کا قیمتی لباس پہنا کرتی تھیں۔ 25ے مثال کے طور پر جب بیورغ نے قندھار کی شہزادی گران ناز کے لئے سیوی (سبی) کے شہر سے لباس خرید کیا تو اس کی قیمت سات سو تیموری درہم تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے تک ان کے ہاں تیموری سکہ رائج تھا۔ بلوچستان اکثر بیرونی حکومتوں کے ماتحت تھا۔ اس لئے مختلف مقامات وہاں بیرونی سلاطین کا سکہ رائج تھا مگر بعد میں براہوئی حکمرانوں نے اپنا سکہ جاری کیا۔

بلوچی سردار نہایت ہی مہمان نواز اور فیاض تھے۔ مثلاً میر چاکر رِند نوبندغ لاشاری کی سخاوت کی داستانیں اب تک مشہور ہے۔ مثال کے طور پر پھر ایک مرتبہ کسی فقیر نے میر نوبندغ لاشاری سے خیرات طلب کی۔ میر نے اپنا قیمتی لباس اور تمام گھر کا اسباب فقیر کے حوالے کر دیا۔ سخاوت کی مثال اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

جنگ کے میدان میں میر چاکر لاشاریوں کے محاصرہ میں پھنس کر گرفتار ہونے کی نوبت کو پہنچتا ہے مگر عین موقع پر دلیر نوبندغ اس کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے جنگ کے خطرناک میدان سے باہر نکال کر لے جاتا ہے حالانکہ یہ نوبندغ لاشاری تھا، اس سے بڑھ کر رواداری کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

اسی طرح بلوچی مہمان نوازی کے لئے ہمایوں کا واقعہ کافی ہے۔ مرزا کامران

25ے بحوالہ کتاب "سرزمین بلوچ" مصنف بلوچ مولائی شیدائی، اشاعت 1996ء، بلوچی اکیڈمی، صفحہ نمبر 299۔

بلوچی سرداروں کولالچ دے کراپناطرف دار بناتا ہے مگر بلوچ مہمان کی حفاظت کرتے ہیں اورمعزول شہنشاہ کومنزل مقصود پر پہنچادیتے ہیں۔

ان کی محفلوں میں موسیقی اور سرود بھی تھا۔دبنور،سرِندااور باب REBECK ان کے موسیقی ساز تھے۔ان کے ڈوموں کے اشعار زیادہ تر بہادری HEROISM کے متعلق تھے۔ان اشعار میں وہ اپنے بڑوں کے کارناموں کودہراتے تھے۔ان کے انصاف کا طریقہ آسان اور سادہ تھا۔سردار علماء کے مشورہ سے فیصلہ کرتے تھے جواحادیث نبوی اورشرع نبوی ﷺ کے پاسبان تھے۔تعلیم کا کام ان کے سپرد تھا۔اس لئے ہر خاص وعام کے دل میں سلطان ابوسعیدی کی اس طرح مدح سرائی کی ہے

دو جہاں راصلا ہے عید زدند 26

سکہ برنام بو سعید زدند

درچمن گفتہ بلبل و قمر ہے

مدح این گلبن ابو الامر ہے

یہ مدح سرائی اس لئے کی گئی تھی کہ سلطان نے 736ھ میں وفات پائی۔پورے ملک نے اس کے مرنے کا ماتم کیا تھا۔اوحدی کرمانی اس زمانہ میں ہوگزرے ہیں جب تاتاری طوفان ختم ہوچکا تھااورعلم وادب کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر روشن ہونے لگیں،علم تصوف میں اوحدی کرمانی کادرجہ شیخ عطار،مولانا روم اورفخر الدین عراقی کے برابر ہے۔

بلوچ قوم میں بعض شعرا کبار اور محدثین اور حفاظ ہوگزرے،جن کا اعداد وشمار کرنے کے لئے علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔اس میں ہر دور کے علماء فضلاء کا بیان بمعہ سند پیش کرتے رہیں گے کیونکہ اگران کا یہ ان نظرانداز کرکے بلوچی تاریخ کا معیار محض جنگوں کو ہی ٹھہرائیں گےتوایک مورخ کے لئے یہ حد نا انصافی ہوگی کہ وہ ادبیات کے پہلو کوتاریکی

26 بحوالہ کتاب "سرزمین بلوچ" مصنف مولائی شیدائی،اشاعتی ادارہ بلوچ اکیڈمی،کوئٹہ،سن اشاعت 1996،صفحہ 297,298

میں رکھے۔

چونکہ بلوچستان کا سیاسی اورتہذیبی دامن ہمیشہ سے عرب وایران اور بعد میں سندھ، افغانستان اور ہندوستان سے وابستہ رہااس لئے اس قوم کی تاریخ کا بیشتر حصہ ان ممالک کی تاریخ اور ادبیات کے دفتروں میں پوشیدہ ہے۔بلوچوں میں اس دور میں بڑے بڑے صوفیاء کرام اور اولیاء بھی ہوگزرے ہیں جو دراصل بلوچ ہی تھے مگر چونکہ اس وقت وہ ایران وعجم کی خاک میں پوشیدہ ہیں اس لئے ہرجگہ وہ عجمی شمار ہوتے ہیں۔حضرت شیخ کرمانی جوحقائق معرفت اور مسائل تصور کے عالم تھے۔حضرت ابوحمزۃ الخراسانی 27 جو خراسان کے نہایت ہی جلیل القدر مشائقین میں سے تھے اکابرانِ طریقت میں نہایت رفیع القدر تھے،بلوچ تھے۔

بلوچ اس علم دینی اورادبیات میں زیادہ تر عراق کے علمی مراکز بصرہ،کوفہ اور بغداد سے وابستہ تھے اوران کے علم وفضل پر عربیت غالب تھی،چنانچہ خراسانی،سیستانی اس قوم کا بادیہ نشین تھامگراس کے صنائع اور بدائع کلام عربی شاعری تھی۔

دور غزنوی تک جب فارسی نے نیا جنم لیا،تب سارے مشرق میں فارسی کا چرچا تھا مگر میر شیہک اور میر چاکر خان رِند کے زمانہ میں دفتری زبان فارسی رہی مگر شعر وسخن کی زبان بلوچی تھی۔چنانچہ اس دور میں جتنے بھی بلوچی شعراء ہوگزرے ہیں ان کی زبان بلوچی نظر آتی ہے اوروہ شعر اور سخن میں یہی مادری زبان کام میں لاتے ہیں۔بلوچی علماء کو اس دور میں ہم دہلی کے دربار میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز دیکھتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی زبان کے ماہر تھے کیونکہ یہی دو زبانیں مشرق میں ممتاز نظر آتی ہیں تاہم رِندولاشار کی جنگ اوراس سے پہلے بہت سے بلوچ بلوچستان سے ہجرت کرکے سندھ اور بلوچستان میں نوآبادیاں قائم کرتے ہیں۔اس لئے یہ امر لازمی ہے کہ بلوچی زبان مکران

27 کتاب کانام "تذکرۃ الاولیاء" از حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ۔صفحہ 382

سے لے کر دو آبہ باری تک پھیل جاتی ہیں اور آج تک ڈیرہ جات یا سندھ میں جتنی بھی قومیں بلوچ ہیں ان کی زبان بلوچی ہے۔

اگر اس زمانہ کے بلوچ شعراء کا پتہ نکالیں گے تو یہی معلوم ہوگا کہ میر چاکر کا بیٹا شہداد خود بلوچی زبان کا شاعر تھا۔ اسی طرح بیورغ خود کمال کا شاعر تھا اور شعر و سخن اس کا مذاق تھا۔

ان کے علاوہ اس زمانہ میں رِند و لاشاریوں کے جتنے بھی مدبر تھے مثلاً فیروز شاہ ریحان، جاڑو اور ریحار یہ سب بلوچی اشعار کے ماہر تھے۔

شیرین فرہاد اصل ایرانی زبان کا افسانہ ہے 28 رِندوں کے زمانہ میں بلوچوں نے اس کو بلوچیت کا جامہ پہنایا، دوستین شیرین جب ترکوں نے بلوچوں پر مظالم برپا کیے تب میر چاکر رِند ترکوں سے لڑا۔ دوستین رِند تھا اور لعل خان کی لڑکی شیرین سے اس نے شادی کی۔ دونوں فارسی زبان کے ماہر تھے۔ دوستین کو ترک گرفتار کر کے ہرات کے قلعہ میں قید کرتے ہیں۔ شیرین فارسی میں ایک خط لکھ کر اس کو ایک فقیر کی معرفت روانہ کرتی ہے پھر کسی ترکیب سے وہ بھاگ کر واپس خراسان آتا ہے اور شیرین اس کو شعر سناتی ہے جو اس نے فارسی خط میں لکھا تھا اس قصہ میں منگچر، کونارو غیرہ مقامات کی گلریزی کا بیان درج ہے۔

اسی طرح مہران گاج کی وادی کو دودھ اور شہد کی دکھاتا ہے دوستین شیرین کے اشعار 1881ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع ہوئے اور 1885ء میں ڈیمز صاحب نے ان بلوچی ٹیکسٹ بک میں شائع کرایا۔

بیورغ کا عشقیہ کلام قندھار کی شہزادی گران ناز کے متعلق ہے یہ ارغون شہزادی امیر ذوالنون ارغون کی چھوٹی صاحبزادی تھی۔ امیر ذوالنون کی دو لڑکیاں تھیں، ایک سلطان ابوالغازی حسین مرزا ہرات کے ساتھ بیاہی تھی۔ یہ بیورغ رِند تھا مگر جنگ رِند و لاشار میں

28 بحوالہ "سرزمین بلوچ" مصنف مولائی شیدائی، صفحہ 304۔

اس نے لاشار کی طرف داری کی کیونکہ وہ میر چاکر کی اس حکمت عملی کے خلاف تھا کہ اس نے ترکوں سے مدد طلب کی تھی۔

شاہ مرید اور ہانی بہترین افسانہ ہے، ہانی مندو کی بیٹی تھی اور شاہ مرید کے باپ کا نام شئے مبارک تھا۔ ایک روز شراب خوری اور نشہ کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو چاکر کے کہنے پر طلاق دیتا ہے اور پھر اس کی تلاش میں شب بیداری اور اختر شاری کرتا ہے۔

مسٹر ڈوئی MR.DOUIE نے اس بلوچی نامہ میں درج کیا یہ قصہ صاف دکھاتا ہے کہ بلوچوں میں شراب نوشی کی عادت تھی اور ان کی شراب قندھار اور ہرات جیسی گلریز زمین کی پیداوار تھی۔ ان کے پیالہ و جام سونے اور چاندی کے تھے ہانی رِند خاتون تھی جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے پیکر جمال تھی اور مرید اس کی محبت میں مست اونٹ کی طرح تھا۔

میران جو میر چاکر کا چچازاد بھائی بڑے پایہ کا مصنف ہو گزرا، مسٹر میئر Mr.Mayer نے اس کو اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔

اس کے بیش بہا اشعار عیسیٰ اور باری کے متعلق ہیں۔ لیچ Leech، میئر Mayer اور برٹن Burton نے بھی مختصر طور اس کا ذکر کیا ہے۔ میر ریحان میر چاکر کا چچازاد تھا۔ سالو کی بیماری کا سن کر غمگین ہوتا ہے، سالو جو تصویر کھینچتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کانوں میں سچے موتی کے زیور اور ناک میں بھی عورتیں زیور پہنتی تھیں۔ ہاتھوں کی مندریوں گلے میں چاندی کے طوق بھی عورتیں پہنا کرتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی بلوچوں میں بیمار ہوتا تھا تو وہ حلال جانوروں کی قربانیاں بھی کرتے تھے۔ یہ قصہ بھی مسٹر میئر نے درج کیا ہے۔ ان سب میں بیورغ کے کلام شیرین اور عشقیہ ہیں۔ ان میں جا بجا محبت کے رنگا رنگی پھول نظر آتے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں بھی یہ اشعار بلوچوں کو یاد تھے چنانچہ میر رامن لاشاری اور ریحان رِند کے گھوڑ دوڑ کے متعلق جتنے بھی اشعار تھے وہ باغہ لاشاری کو زبانی یاد تھے جن کو جے ایل میئر صاحب پادری نے انگریزی میں

ترجمہ کیا۔ میر ریحان رند کے اشعار جو گوہر جتنی کے متعلق ہیں ان کو ڈیمز نے 1893ء میں
ترجمہ کیا۔ چنانچہ ریحان کے اشعار دوعمرانی کھوسہ شاعروں میں ہیرو جان وعلی محمد خان کو یاد
تھے۔ پھر سلطان شاہ حسین کا رندوں کی طرف داری کرنا اور میر چاکر کا ہندوستان پر حملہ یہ
تمام شاعر یورپین فاضلوں کو غلام محمد کی زبانی معلوم ہوئے اور ان اشعار سے ٹیمپل
TEMPLE نے ''افسانہائے پنجاب'' LEGENDS OF PUNJAB تصنیف
کرنے کا موقع مل گیا۔ حقیقت میں یہ سہرا غلام محمد مرزا کے سر ہے جس سے خود ایل ڈیمز کو
''بلوچی ٹیکسٹ بک'' کتاب تصنیف کرنے کے موقع مل گیا۔ رِند و لاشار کی جنگ کی کیفیت
جو اشعار میں موجود ہے اس کا ترجمہ مسٹر ایل ڈیمز نے شاعر غلام بولک رِند کی زبانی 1879ء
میں بمقام سیوی (سبی) ترجمہ کیا اس لئے یورپین محققین نے اس دور کو ''افسانہ تاریخ
بلوچ'' The Legendry History of the Baloches نام رکھا جو
سراسر ناانصافی ہے۔ اس رِند و لاشار کی جنگ میں ہیبت خان نے میر چاکر کی طرف داری کی
تھی اور یہ بیرک (بیورغ) کا لڑکا تھا۔ اس حکایت کو ایل ڈیمز نے احمد خان لاہانی لُنڈ کی
معرفت معلوم کیا۔ ان اشعار میں میر عالی بلیدیوں کے کارناموں کا بھی ذکر کیا۔ غلام محمد
بلیچانی کے اشعار میں نوبندغ کی سخا اور فیاضی کا بھی ذکر ہے۔

ہمایوں نے جب دہلی پر حملہ کیا تھا تو رِند و لاشار نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اس
طرح غلام محمد بلیچانی کے اشعار میں رِند اور دودائی قبائل کی جنگوں کا ذکر موجود ہے۔

دودائی قبیلہ کے سربراہ سہراب خان اور حاجی خان تھے۔ یاد رہے کہ حاجی خان نے
بعد میں اپنے بیٹے کے نام پر 1476ء میں ڈیرہ غازی خان شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ میرانی
بلوچ کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ اس خاندان نے ڈیرہ غازی خان پر دو سو سال تک
حکمرانی کی ہے۔

بلوچوں کی ان تمام اشعار میں ان کی غیرت اور دلیری اور مہمان نوازی کے قصے

درج ہیں۔ ایک اور مثال جو بلوچوں کی تہذیب اور غیرت کو ظاہر کرتی ہے وہ ہم اس واقعہ
سے نقل کرتے ہیں کہ جب میر چاکر رِند نے ارغون کے بادشاہ امیر ذوالنون سے لاشاریوں
کو شکست دینے کے لئے فوجی امداد طلب کی تھی تو جب ارغون کے لشکر نے اچانک حملہ کر کے
لاشاریوں کو تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کرنا شروع کیا۔
اس دوران میر چاکر کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے بلوچی روایت کو مدنظر رکھتے
ہوئے لاشاریوں کی خواتین اور بچوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

شہنشاہ ہمایوں نے جب 1540ء میں اپنے ہی جرنیل غلام فرید خان، شیر شاہ سوری
سے ذلت آمیز شکست کھائی تھی اور کئی سال تک شہنشاہ ایران کے پاس پناہ گزیں رہ کر اپنی
فوجی طاقت بڑھاتا رہا اور بعد میں جب اس نے شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد مغل
سلطنت کے علم کو بلند کرنا چاہا اور دہلی پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر بلوچوں پر
مشتمل تھا اور جب ہمایوں دہلی پر حملہ آور ہوتا ہے تو بلوچوں کے جنگجو لشکر نے اس کا بڑھ
چڑھ کر ساتھ دیا اور یہاں پر ڈیمز کے الفاظ میں ''جب ہمایوں نے دہلی پر حملہ کیا تو بلوچوں
نے ہراول دستہ میں شامل ہو کر افغانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے شروع کر دیئے اور جب لشکر
زیادہ غصے میں آتا تو اپنی بڑی بڑی داڑھیوں کو منہ میں لے کر انتہائی غصے کی حالت میں
چباتے ہوئے آگے بڑھتے اور اس دوران وہ دشمن کو مکمل طور پر ختم کر کے ہی دم لیتے۔ اس
کے علاوہ بلوچ تہذیب کے ان گنت واقعات تاریخ میں بھرے پڑے ہیں''۔

ڈیرہ غازی خان کے بلوچوں کی ہمایوں کی امداد کرنا

جب شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں 947ھ میں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر بددل ہو کر جنگلوں کا رخ کیا تو منزل پہ منزل مارتے ہوئے وہ لاہور پہنچا مگر جب وہ لاہور آیا تو اس کے سگے بھائی کامران مرزا نے اس سے بے وفائی کی اور اس کا ساتھ نہ دیا۔ ہمایوں اس صورت حال سے پریشان ہو کر ملتان روانہ ہوا۔ اس وقت ہمایوں کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اس نازک موقع پر ڈیرہ جات کے بلوچ نہایت دوستانہ اور ہمدردانہ طریقے سے ہمایوں کے ساتھ پیش آئے۔

بلوچوں کے سرداروں میں سے بخشو خان نے سو (100) کشتیوں پر اناج بھروا کر ہمایوں کے لشکر کے لئے روانہ کیا۔ ہمایوں نے یہ اناج اپنے لشکر میں تقسیم کیا اور انہیں کشتیوں کے ذریعے دریائے سندھ عبور کیا۔ بعد میں اس نے بخشو خان بلوچ کے لئے شاہی خلعت ایک عَلم اور ایک خوبصورت گھوڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ مہمان نوازی اور اپنے دوست کے لئے تن من قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

دوسرا رُخ

اب ذرا ہم قدیم نظموں اور بلوچوں کی اپنی زبانی ان باتوں کا جائزہ لیتے ہیں جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے ملاتے ہیں اور جس کے لئے وہ کچھ تاریخی واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔ گو ان باتوں میں زیادہ تر ابہام پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی جو روایات اس وقت بلوچوں میں رائج ہیں اس کا جائزہ لینے کے لئے مختصر طور پر ان کا ذکر کرنا قارئین کے لئے دلچسپی اور علم میں اضافے کا سبب بنے گا۔ تمام بلوچ قبائل میں مہمان نوازی کی فطرت عربوں کی طرح آج تک موجود ہے اور عربوں کے جد امجد یقیناً حضرت ابراہیمؑ ہی تھے۔ دوسری طرف بلوچی زلفیں بھی مسجد اقصیٰ کے روحانی پیشواؤں کی نقل تھی۔ مسجد اقصیٰ میں عبادت گزاروں نے اپنے سروں پر کبھی بھی اُسترا استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی منقش اور پھول دار چادروں کے پہن لینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلاشبہ خوبصورتی تو بہترین نسب اور عمدہ خصائل ہیں جو انسان کو عبادت کرنے اور بزرگی سے حاصل ہوتے ہیں۔

بلوچ قوم[29] آج بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں ڈالی جانے والی سنت کی پیروی کرتے ہیں اس کی مثال بگٹی قبیلہ سے لی جاسکتی ہے کہ وہ کھرے اور کھوٹے کو آگ میں ڈال کر پرکھتے ہیں۔ اسے آپ آتش گزاری کا قانون بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا طریقہ بھی کچھ یوں ہے کہ مشتبہ چور کو مجمع میں بٹھا کر آگ سے دہکتا ہوا سرخ لوہے کا ایک بالشت بھر ٹکڑا اس آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے یا پھر ایک ندی نما چری کھود کر اس میں لکڑیاں جلا کر سرخ کوئلہ تیار کیا جاتا ہے اور پھر مشتبہ شخص کو ننگے پاؤں اس آگ پر چلنا پڑتا ہے اس دوران اگر وہ شخص بے گناہ ہوتا ہے تو پھر اس پر آگ بالکل اثر نہیں کرتی۔ لیکن حقیقتاً چوری

---

29 بگٹی اور مری بلوچوں میں آگ کے انگاروں پر چلنے کی رسم آج تک موجود ہے اور مجھے خود بھی ایک مرتبہ دیکھنے کا موقع ملا (مصنف)

میں ملوث شخص اس لوہے کی تپش اور چری کے جلتے ہوئے انگاروں پر ننگے پاؤں چلنے سے وہ جل اٹھتا ہے۔ ایسے مناظر کئی مرتبہ دیکھنے میں آئے ہیں۔ آج بھی ایک بے گناہ بلوچ کو اس امر پر یقین ہے کہ آگ بے گناہ پر اثر نہیں کرسکتی۔ یہ ایک روایت ہے جو صدیوں سے مروج ہے، بلوچی زبان میں اس کا نام ''پت'' ہے۔ بلوچ قوم اپنی قدیم روایات کی پاسداری کرنا اوران پر عمل کرنا اپنے لئے فخر اور باعث خوشی و مسرت سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قوم میں روایات سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ ایک اور بات اگر آپ نے اصلی اور نقلی بلوچ میں امتیاز کرنا ہوتو پھر دوستی اور دشمنی کو مدنظر رکھیں کیونکہ ایک بلوچ اپنا سب کچھ اپنے دوست کے لئے نثار کردیتا ہے اور اس طرح ایک بلوچ کی دشمنی بھی صدیوں تک چلتی ہے جس کے لئے پشت در پشت والی بات سامنے آتی ہے۔

اس بات سے تو تقریباً سب مورخین اتفاق کرتے ہیں کہ بلوچ بحیرہ کیسپین[30] شام کے ایک مشہور شہر ''حلب'' سے ہجرت کرکے ایران اور پھر ایران سے کیچ مکران کے علاقوں میں داخل ہوئے اور پھر آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔ بلوچ ایک قدیم قوم کی حیثیت سے قدیم زمانے سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے، بعض مولفوں نے ان کو عرب قرار دیا۔ اس طرح ڈیمز اور بلوچوں کی اپنی اکثریت کا نظریہ ہے کہ بلوچ ایران کے شمالی علاقوں (بحیرہ کیسپین کے ساحل) سے ہجرت کرکے برصغیر میں داخل ہوئے جبکہ مغربی اور مشرقی بلوچستان کے اکثر بلوچ خود کو عربوں کی نسل سے سمجھتے ہیں اور حلب (شام) کو اپنا پہلا مسکن قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح حلب بلوچوں کا پیدائشی وطن تصور کیا جاتا ہے۔

بلوچ جب کیچ مکران کے علاقوں میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کا سردار میر جلال خان تھا جس کی نسل سے بلوچوں کے چار مرکزی قبیلے وجود میں آئے اور پھر انہی چاروں

---

30 ڈیمز نے بھی اپنی اردو ترجمہ میں چھپنے والی کتاب ''بلوچ قبائل'' میں بحیرہ کیسپین کے ساحل پر بلوچوں کا ذکر تفصیل سے کیا

کے نام پر آگے بہت سی نسل پھیلی۔

میر جلال خان کے چار بیٹے تھے[31] جن میں سے رند خان، لاشار خان، کورائی اور ہوت خان تھے۔ میر جلال خان بلوچوں کے چوالیس گھرانوں کے ہمراہ موجودہ بلوچستان جو اُس وقت سیستان کے نام سے معروف تھا وارد ہوئے۔ میر جلال خان عاقبت اندیشی فہم و فراست کے مالک تھے۔ انتشار اور بدامنی کے شکار بلوچ قبائل اور خاندانوں کو متحد کرکے سردار کا مقام حاصل کیا۔ میر جلال خان کے بعد ایک بڑا نام انہی کی نسل سے میر چاکر خان رند کا ہے جس نے اس قوم کی رہنمائی کرتے ہوئے بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں بلوچوں کو متعارف کرایا۔ میر چاکر خان کے ساتھ ایک اور نام جس کو شامل نہ کرنا تاریخ بلوچاں سے ناانصافی ہوگی وہ نام ہے سردار میر گوہرام خان لاشاری کا، جو جرات اور بہادری میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اگر میر چاکر خان ارغونوں سے امداد نہ لیتے اور دوسروں کے سہارے کے بغیر گوہرام خان لاشاری سے جنگ لڑتے تو پھر چاکر خان کی شکست یقینی تھی لیکن بے رحم ارغونوں نے چاکر خان کا کہنا مان کر لاشاریوں پر شب خون مار کران کو بڑی تعداد میں تہہ تیغ کیا تھا۔ ایرانی بلوچستان کا مشہور شہر لمپور رندوں کا مسکن تھا یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ اس وقت لاشاری اور رند ایک تھے۔ میر شیہک ان کا سردار تھا جب یہ دونوں قبیلے آگے بڑھتے گئے تو مکران اور کیچ کے علاقوں پر قبضہ بھی کرتے گئے۔

رندوں اور لاشاریوں نے آپس میں باہمی مشاورت سے فیصلہ کیا کہ آؤ یہاں سے کوچ کریں۔ بنجر زمینوں کو چھوڑ کر زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقے حاصل کریں اور آپس میں تقسیم کرڈالیں، چاکر خان کی خواہش پوری ہوئی۔ رند اور لاشاری، چاکر اور میر گوہرام خان کی قیادت میں آگے بڑھتے گئے۔ لسبیلہ اور خاران پر بزورِ شمشیر قبضہ کرلیا تو میر عومر

---

31 اس بات پر سب مورخ اتفاق کرتے ہیں کہ بلوچوں کا جدامجد میر جلال خان تھا جس کے مندرجہ بالا چار بیٹے تھے

میروانی قلات میں ان کی پیش قدمی کے لئے سد راہ بنا۔ قبائلی کینہ و چشمک تو تھی ہی یہاں پر
چاکر خان اور میر گوہرام کی فوجوں نے قلات کا قصد کیا۔ میر عومر جنگ کی تاب نہ لاتے
ہوئے میدان جنگ میں داد شجاعت دیتا ہوا مارا گیا۔ میر عومر کا کمسن بیٹا بجار خان اپنی والدہ
کے ہمراہ بچ کر مستونگ پہنچا اور خواجہ خیلوں کی پناہ خاص میں چلا گیا۔ قلات کی فتح کے بعد
زمام قلات میر مندو کو مقرر کیا جبکہ میر چاکر خود سبی نرمک، نامڑی، کوٹہ، ڈھاڈر، شوران پر
قابض ہوگیا۔ جبکہ لاشاریوں نے کچھی، گنداواہ، جھل کے علاقے چھین کر بڑی فتوحات
حاصل کیں اور ان علاقوں پر اب تک آباد چلے آرہے ہیں جب فتوحات کی تکمیل ہوئی،
زمانہ امن کی نمود ہوئی، خوشحالی اور فارغ البالی آئی تو جد وجہد کا جوش سرد پڑ گیا۔ ہر عروج
کے لئے ایک زوال مقدر ہوتا ہے۔ ہر بلندی کو ایک دن پستی کی طرف جانا ہے جب
مد مقابل کوئی نہ ہو تو شیر آپس میں ہی نیش آزمائی کرتے ہیں، عیش کوشی، حسین عورت،
شراب، رقص ونغمہ اور حرص و دولت عقل کو شکست دیتی ہے یہی بلوچوں کی تیس سالہ خانہ جنگی
کے اسباب ہیں جن کی ذمہ داری تاریخ نے سردار چاکر پر عائد کی ہے۔ رِندوں اور
لاشاریوں کی آپس میں جنگ کا آغاز ایک حسین عورت گوہر جتنی سے ہوتا ہے۔ گوہر جو
اونٹوں کے ایک بڑے گلے کی مالک تھی اس کو سردار چاکر نے اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا، اس
خانہ جنگی کا ایک سبب سیوی کی گھوڑ دوڑ ہے۔ سیوی (سبی) کا میلہ صدیوں سے چلا آرہا
ہے، ایک مرتبہ اس میلہ پر سردار چاکر کا بیٹا شہداد اور رامین لاشاری کے درمیان گھوڑ دوڑ
ہوئی لیکن رِندوں نے دھوکہ دہی سے رامین کی گھوڑی کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور
یوں رِند گھوڑ دوڑ کی بازی دھوکہ سے جیت گئے۔ رامین اور دوسرے لاشاریوں کو اس بات
کا بڑا دکھ ہوا واپسی پر جاتے ہوئے راستہ میں انھوں نے گوہر جتنی کے چند شتر بچے ہلاک
کر ڈالے اور کچھ اونٹ ہانک کر ساتھ لے گئے۔ گوہر جتنی فریاد لے کر چاکر کے پاس آئی
جس نے بدلہ لینے کی قسم کھائی اور پھر ایک طویل جنگ کا آغاز ہوا جس میں دونوں طرف

سے ہزاروں بلوچ بے گناہ تہہ تیغ ہوئے اور اس تیس سالہ خانہ جنگی ہی نے بلوچوں کی عظمت
رفتہ کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ میر چاکر کے قیام بلوچستان کا بیشتر دور باہمی جنگوں میں گزرا۔
اس نے اگر ارغونوں کی مدد سے لاشاریوں کو تہس نہس کر ڈالا تو وہاں خود اس کی قوت بھی
پاش پاش ہوگئی۔ اب وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ ملک پر اپنی گرفت مضبوط رکھ سکتا۔
بیرونی خطرات سے تحفظ والی بات بھی اپنی جگہ موجود تھی، غالباً اسی خوف کے باعث ان کو
بلوچستان کو خیر باد کر کے پنجاب کا رخ کرنا پڑا۔

کوہ سلیمان پر بلوچوں کا قبضہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تیس سالہ خانہ جنگی سے لاشاری اور رِند قبائل کافی کمزور ہو چکے تھے تو انھوں نے پنجاب کا رخ کیا۔ ان کے قافلے درّہ کچھی میں اور رود چاچڑ سے کوہ سلیمان کے دامن میں داخل ہوتے رہے۔ اس وقت کوہ سلیمان کی چوٹیوں اور ڈھلوانوں میں پٹھان قوم آباد تھی۔ بلوچوں کی پٹھانوں کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی، سخت مدافعت اور خونریزی کے بعد پٹھان شکست کھا گئے اور کوہ سلیمان کے شمال مغرب کی طرف کوچ کر گئے۔ جاتے وقت پانی کے چشموں کو بھی اس طرح سے بند کر دیا کہ پانی کی بوند تک باہر نہیں آ سکتی تھی۔ سراسیمگی کی حالت میں جاتے ہوئے زمین میں مدفون خزانے اور سونے چاندی کے زیورات تک کو نکال کر نہ لے جا سکے۔ یہ پٹھان قوم آج تک بھی کوہ سلیمان کے شمال مغرب کی طرف آباد ہے اور غالباً ناصر پٹھان کے نام سے مشہور ہے۔ کوہ سلیمان کا ڈھلوان اور دامانی علاقہ چرائی اور اونٹوں کی چراگاہ کے لئے موزوں تھا پھر بعد میں رِند اور کچھ لاشاری قبائل اس پہاڑ کے دامن سے پنجاب اور سندھ کی طرف رخ کرنے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب شہنشاہ ہمایوں غلام فرید خان شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران میں پناہ گزین ہو چکا تھا، میر چاکر نے اس آڑے وقت میں شہنشاہ ہمایوں کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ ہمایوں نے 1540ء میں شیر شاہ سوری سے شکست کھائی تھی اور بعد میں ایران چلا گیا تھا۔ شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے اندر اتنی صلاحیتیں ہی نہ تھیں کہ ملکی نظام سنبھال سکتا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی، جب یہ خبر ہمایوں تک پہنچی تو اس نے ایران کے شہنشاہ طہماسپ سے امداد طلب کی تاکہ دوبارہ اپنی سلطنت حاصل کر سکے۔ ایرانی فوج کے علاوہ شہنشاہ ایران نے بلوچ سردار میر شہداد بن میر چاکر سے بھی استدعا کی کہ ہمایوں کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ میر شہداد پہلے ہی اس کام کے

لئے تیار تھا، فوراً چا[illegible] ہزار بلوچی فوج لے کر دہلی کی جانب کوچ کیا۔ راستے کی تمام مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جب یہ جنگجو دہلی کے قریب پہنچا تو وہیں سلیم شاہ کی فوج سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ کئی روز تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، دونوں طرف سے کئی بہادر میدان جنگ میں کام آئے۔ آخر کار ہمایوں کی فوج اور بلوچوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ سلیم شاہ کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور دہلی پر قبضہ کرلیا۔ اس جنگ میں میر شہداد کے آٹھ بیٹے بھی مارے گئے۔ دورانِ جنگ علمبردار میر شہداد کے بیٹے تھے۔ ہمایوں نے تخت دہلی پر قدم جمانے کے بعد بلوچوں کو ساہیوال اور اردگرد ملتان کا علاقہ جاگیر کے طور پر دیا۔ رِند قبائل اس سے قبل بھی ساہیوال کے قریب آباد ہو چکے تھے۔ ان کے سردار میر چاکر کا قیام ست گھرہ[32] میں تھا جس نے اپنی باقی عمر یہاں پر گزاری اور وفات کے بعد دفن بھی یہیں پر ہوئے۔ ان کا مقبرہ ست گھرہ میں موجود ہے۔

ایک نظر بابل سے بلوچستان تک

بلوچ کچھ عرصہ بابل میں بھی سکونت پذیر رہے تھے پھر زمانہ کے ساتھ جب ان کی نسل بڑھتی گئی اور قبائل کی تقسیم ہوتی رہی تو فکر معاش اور نئی زرخیز زمینوں کے حصول کی خاطر انہیں دوسرے علاقوں کی جانب سفر کرنا پڑا۔ یہاں پر ایک دوسری بات بھی مدنظر رہے کہ بابل کے ظالم بادشاہوں کے ظلم سے بھی بلوچ قوم برسرپیکار رہی جس کی وجہ سے بھی انہیں مختلف علاقوں میں ہجرت کرنا پڑی۔ اس دوران بلوچ فارس (ایران) ترکی، عراق، مصر، شمالی افریقہ اور آذربائیجان کے علاقوں میں نقل مکانی کرتے رہے۔ ترکی اور عراق میں رہنے والے کُرد بھی بلوچوں ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح عرب کے اندر بلوص نامی قبیلہ ابھی تک آباد ہے جو اپنے نسب کو بلوچوں کے ساتھ ملاتے ہیں۔ بابل سے ایران کے صوبہ کرمان جو خلفائے راشدین کے زمانے میں بلوچوں کی آمدگاہ تھا جب عرب سپہ سالار عبداللہ ابن عبداللہ القلوئی نے 22 ہجری (642 عیسوی) میں کرمان کے صدر مقام کو فتح کیا تو کرمانیوں نے بلوچیوں سے امداد طلب کی۔ مورخ المسطخری نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں لکھا ہے کہ بلوچ اس زمانے میں کرمان کے پہاڑوں میں آباد تھے وہ مال مویشی پالتے ہیں اور خیموں رہتے ہیں جن کے چہرے وحشت ناک ہیں اور ان کے طور طریقے لوٹ مار کرنا ہے۔ کشمکش اور محاذ آرائی کی وجہ اکثر یہ رہی کہ وہاں کے حکمران ظالم بدکردار تھے۔ وہ بلوچ قوم کی نسل کو تہہ تیغ کرنا اپنے لئے باعث سکون قلب تصور کرتے تھے کیونکہ بعویہ خاندان جو صوبہ کرمان کے تخت و تاج کے وارث تھے کافی عرصہ تک اپنے اس غیر مطمئن اور دل آزار کاموں کی وجہ سے مشہور تھے۔ تاہم یہ طوفان خیز عہد تلوار کے اعادہ کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا جب 963ء میں علی بن بعویہ نے اپنے بھائی عبدالحسن احمد بن بعویہ کی قیادت میں ایک لشکر بلوچوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس وقت بلوچوں کا

سردار ابن کلاویہی تھا کئی خونریز معرکوں کے بعد ایک بار صلح بھی ہوئی لیکن بعد میں احمد بن بعویہ نے عہد و پیما کی دھجیاں اڑا کر بلوچوں پر شب خون مارا جبکہ ابن کلاویہی اور ان کے ساتھی طے شدہ معاہدہ پر بھروسہ کرتے رہے۔ شبخوں مارنے میں ابن معویہ نے جلد بازی کی لیکن اسے یہ محسوس نہ ہوا کہ اس کا نتیجہ برعکس نکل کر اس کے لئے رسوائی و بدنامی کا باعث بنے گا۔ وہ دل ہی دل میں بڑا خوش تھا اسے تو توقع بھی نہ تھی کہ وہ ایک ذلت آمیز شکست کا سامنا کرے گا۔ وہ سورج طلوع ہونے تک فتح نصرت کی خوشخبری سننے کا امیدوار تھا لیکن اس کی جھوٹی اَنا اور وقار کی جلد ہی قلعی کھل گئی اس کی طاقت کا نشہ جلد ہی چور ہو گیا۔ ابن کلاویہی ایک باہمت اور مدبر آدمی تھا اس نے رات کی تاریکی میں اپنے آدمیوں کو پہاڑوں کے درمیان اس تنگ درّے میں تعینات کیا کہ جہاں سے حملہ آوروں کا گزرنا بھی مشکل تھا جب رات کی تاریکی میں احمد بن بعویہ کی افواج درّہ کے نصف حصہ تک پہنچی تو بلوچوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا اور احمد کی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی، احمد بن بعویہ زخمی حالت میں پایا گیا۔ ابن کلاویہی نے اسے اپنی پناہ میں لے کر اس کا علاج کیا بعد میں صلح کی صورت میں اسے رہا کر دیا گیا۔

بلوچوں کی لوٹ اور دہشت گردی نے غزنی کے شاہی دربار کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا حتیٰ کہ سلطان محمود غزنوی نے جب کرمان کے حاکم کے پاس کچھ تحائف اپنے سفیر کے ساتھ روانہ کئے تو بلوچوں نے یہ تحائف لوٹ لئے۔ اس فعل بد پر سلطان محمود غزنوی کو بہت غصہ آیا[33] جس پر اس نے اپنے بیٹے مسعود کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ بلوچوں کو سبق سکھائے۔ مسعود غزنوی نے بلوچوں کو ختم کرنے کی خاطر ایک دلچسپ چال چلی وہ یہ کہ لشکر کے آگے اونٹوں کا بڑا کاروان روانہ کیا، ان اونٹوں پر شکر کی بویاں تھیں اور اس شکر میں زہر بھر دیا، یہ کاروان جونہی پہاڑی دروں سے گزرنے لگا تو بلوچوں نے فوراً لوٹ مار

[33] ایرانی شاعر فردوسی نے "شاہنامہ" میں اس واقعہ کا ذکر اپنے اشعار کی صورت میں کیا ہے۔

شروع کردی۔ اس طرح جب بلوچوں نے شکر کا استعمال کیا تو زہر نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔ اس طرح بہت سے بلوچ وہیں لقمہ اجل بنے لیکن مسعود غزنوی نے یہ کوئی بہادرانہ فعل نہیں کیا تھا کیونکہ ایک جرات مند دشمن جس کی افرادی قوت بھی کم ہو اس طرح کے رزیل حربوں سے انہیں زیر کرنا کوئی شائستہ فعل اور بہادری نہیں۔ یہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچوں کے جنگجوانہ قوت سے گھبرا کر یہ بزدلانہ قدم اٹھایا گیا۔

کرمان سے سیستان اور مکران تک بلوچ

دسویں صدی کے آغاز میں کرمان سے سیستان اور ایرانی بلوچستان کی جانب سے بلوچوں کا پہلا بڑا طوفانی انخلاء وقوع پذیر ہوا۔ کرمان کا صوبہ عربوں کے ایران فتح کرنے سے لے کر بارہویں صدی کے وسط تک ان کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بلوچ سیستان سے آہستہ آہستہ افغانستان کے گرم سیر، شوراوک تک سیل رواں کی مانند پھیل کر چھا گئے پھر اس سے آگے بڑھ کر ہرات اور روسی ترکستان تک اپنی نو آبادیوں کا جال بچھا دیا۔ ان علاقوں میں آج تک بلوچ قوم بکثرت آباد ہے۔ علاوہ ازیں بلوچوں نے اپنے سردار شاہ بلوچ کی زیر قیادت منگولوں کو بھی لوہے کے چنے چبوائے جنہوں نے اس تہذیب و تمدن کو تہہ و بالا کر دیا تھا اور عظیم سلطنتوں کے مراکز کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔

ایرانی بلوچستان میں بلوچ زرخیز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور چند قبائل مکران کی جانب آگے اور پنجگور کی جانب بڑھتے چلے گئے۔ دسویں صدی عیسوی میں پنجگور میں آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد بلوچوں کی فوج ظفر موج پرکشش سندھ کی جانب متواتر بڑھتی چلی گئی جہاں کی زمین نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب تھی۔ بلوچ سندھ میں اس دوران بڑی تعداد میں آباد ہوتے گئے اور آج تک اسی زمانے سے آباد چلے آ رہے ہیں۔

بلوچ نسل کا کردار

بلوچ شروع سے ہی باکردار اور غیور رہا ہے۔ خودداری اور عزت کی خاطر جان قربان کر دینا بلوچ کا شیوہ رہا ہے۔ ایک دوسری بات کہ بلوچ سردار بلوچ معاشرے کی نگرانی پاسبانی کے اعلیٰ رتبے کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے اپنے قبیلوں کے فوجی، انتظامی اور عدالتی سربراہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلوچ نسل کے کردار میں آج تک بہت کم ہی تبدیلی نظر آئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچ نسل اور اس کے دور افتادہ خطوں پر وقت اور زمانے کے اثرات نہایت ست رفتاری سے بڑھ رہے ہیں مگر بلوچ کے اندر جذبہ افتخار اور ان رسم و رواج میں زمانے کے نشیب و فراز سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ بلوچ اپنی سچی روایات کا آج تک پاسدار اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ بلوچوں میں حجازی عربوں جیسی بہت سی عادتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر دونوں جنگجو اور جانباز ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بلوچوں نے اپنے خون کو آلودگی اور آمیزشوں سے پاک و صاف رکھا اور اپنے امتیاز کردار کو برقرار رکھا۔ شجرہ نسب کو ازبر کرنا ہمیشہ سے ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور تا حال یہی صورت حال باقی ہے، وہ اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنا اپنا فرض تصور کرتے ہیں۔ اپنے قریبی رشتہ داروں میں شادی بیاہ کے رواج پر مکمل طور پر اور انتہائی سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی لڑکی کو اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ بلوچوں میں طلاق کا رواج بہت کم ہے، کیونکہ اپنے شوہر سے بے وفائی کی سزا موت ہے اور اس طرح دیگر وجوہات کی بناء پر بیوی کو چھوڑنا انتہائی معیوب تصور ہوتا ہے۔ بلوچوں کی شجاعت فیاضی، مہمان نوازی، وفاشعاری، احساس افتخار اور جذبہ رشک ان کی بہترین خصوصیات رہی ہیں۔ بلوچوں میں افراتفری، ہنگامہ پروری اور اتحاد کا فقدان شروع سے رہا ہے۔ ان کی قبائلی دشمنیاں صدیوں تک جاری رہتی ہیں۔ آپس میں جنگ و

جدل ان میں شروع سے رہا ہے جو ان کو زوال پر آمادہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ سماجی نقطہ نگاہ سے اجتماعی طور پر غیر اثر پذیری کا مادہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے لیکن سیاسی لحاظ سے بلوچ مسلمہ طور پر ایک ایسی غیر متحد قوم ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ انتقام جوئی پر ان کا کامل ایمان ہے اور وفاشعاری ان کے کردار کی بنیادی خصوصیات ہے۔ بلوچی کردار ہمسایہ نسلوں سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ ایک بلوچ فتح و شادمانی کا عالم ہو یا شکست و آرام کی گھڑی، ہر حال میں بہادری اور شجاعت، مستقل مزاجی، استقامت، متانت، وقار اور عزت اور بے خوفی، بے باکی کے دامن کو تھامے رکھتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہیں کہ بلوچوں نے کسی شکست اور مصائب و آلام کے کسی سانحے کے وقت ذلت اور بزدلی کے ساتھ سر تسلیم خم کیا ہو۔ پہلی جنگ عظیم میں جب اقوام عالم متحد ہو کر جرمن سے جنگ لڑ رہی تھی تو برطانوی حکومت نے مری قبیلے سے فوجی بھرتی کا مطالبہ کیا لیکن بھرتی کے لئے تمام بلوچ قبائل نے قطعاً انکار کر کے انگریز سے جنگ چھیڑ دی۔ یہ جنگ کئی سال تک جاری رہی، اس ہولناک اور تباہ کن جنگ سے مری قبیلے کو شدید مسائل و تباہی و نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ سینکڑوں گاؤں بمباری اور آتش زنی سے خاکستر اور ویران ہو گئے۔ جنگ ختم ہونے پر اس قبیلے کے مرکزی مقام کاہان میں ایک دربار کا انعقاد کیا۔ چیف کمشنر نے قبائیلوں سے خطاب کیا، دربار کے بعد گورنر جنرل نے مری قبیلے کے سردار نواب خیر بخش مری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا خوب آئندہ مری برطانوی حکومت کے خلاف کبھی ہتھیار اٹھانے کی جرات نہیں کرے گا تو نواب موصوف نے برجستہ ترکی بہ ترکی جواب ''ہاں صاحب برطانوی بھی بھرتی کے لئے آئندہ کبھی بلوچوں سے مطالبہ کی جرات نہیں کرے گا''۔

انیسویں صدی کے وسط میں بلوچوں کے مردِ مجاہد میر بجار خان ڈومبکی نے برطانوی استعمار کی قوت و جبر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جبکہ دوسری طرف برطانوی ارباب اختیار میں انہیں نوابی کے علاوہ ایک بڑی جاگیر کا لالچ بھی دیا۔ لیکن اس مردِ مجاہد نے تحریص و ترغیب کی ان

پیشکشوں کو بڑی جرات اور خودداری کے ساتھ ٹھکرا دیا کہ ''شیر جنگل میں بھوکا تو رہ سکتا ہے
لیکن شکار اپنی ہی کھائے گا''۔ ایک لومڑی کی طرح کسی محل و ایوان میں محبوس ہونے سے
ہزار درجہ بہتر ہے کہ انسان اپنے سچے قول کی خاطر اپنی جان تک کی بازی لگا دے۔ ایک
معروف برطانوی مدبر نے بلوچوں اور پٹھانوں کے کردار کا نقشہ پیش کرتے ہوئے اپنے
بے باک تجزیہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے، دونوں قومیں جنگجو اور غارت گری میں یکتا
ہیں۔ مگر ان کی لڑائی کے قواعد و ضوابط اور طریقہ ہائے کار قطعاً مختلف ہیں، خواہ وہ آپس میں
باہمی قبائلی لڑائیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ پٹھان اپنے مقصد کے مطابق کوئی بھی چال چل سکتا
ہے اور مخالف کو عقب سے نشانہ باندھ کر وار کرتا ہے لیکن بلوچ برسر عام کھلم کھلا اور آمنے
سامنے لڑتا ہے۔ بلوچ میں ایک مخصوص شجاعت کا رواج ہے جو ہر لحاظ سے ایشیا کے عرب
فاتحوں کی بہادر اولاد کہلوانے کے مستحق ہیں۔ بلوچ بنی نوع انسان کی ایک خوبصورت اور
محرک نسل ہیں جنگ کے دوران عورتوں اور بچوں کی کبھی بے حرمتی نہیں کرتے۔

''بلوچوں کے بارے میں ایک مصنف مزاج اہل قلم نے حقیقت کا اظہار اس
صورت میں کیا کہ بلوچ صادق اور صاف گو ہوتے ہیں، جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں ایک
سچے بلوچ کی زبان اور دل پر ایک بات ہوگی، امانت میں کبھی خیانت نہیں کریں گے اور اس
کی حفاظت اور نگرانی کے لئے اپنی جان تک قربان کر دے گا وہ غیر مہذب ہیں مگر اس حالت
میں بھی اطمینان اور افتخار سے سرشار رہتے ہیں وہ بہادری اور جنگ و جدل میں مشہور ہیں
جیسا کہ فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں بلوچوں کو پہاڑی بکرے سے تشبیہ دی کیونکہ وہ سر سے
پاؤں تک مسلح ہوتے ہیں اور میدان کارزار میں کبھی پیٹھ نہیں دکھاتے''۔

مشہور انگریز مورخ مسٹر ایم لونگ ڈیمز بیان کرتا ہے کہ ''یہ مشاہدے میں آیا ہے کہ
بلوچ قوم کی سب سے بڑی خوبی سخاوت مہمان نوازی ہے اور مذہب اسلام میں یہ دو بڑی
خوبیاں اتم پائی جاتی ہیں بلوچ خود تو بھوکا رہ کر گزارہ کر لیتا ہے لیکن اپنے مہمان کی خاطر

اپنی جان تک کی بازی لگا دیتا ہے، سخاوت بلوچوں کا ورثہ رہی ہے بڑے نامور لوگ بلوچوں
میں سخاوت کی وجہ سے مشہور ہوئے ہیں، بگٹی سخی سہری کو اپنا مرشد تصور کرتے ہیں، گشکوریوں
میں سخی گہرام بہت فیاض شخصیت ہوئی ہیں، مزاری قبیلے میں سخی رندھان بہت بڑی سخاوت
والی شخصیت تھے۔ اس طرح سخی صوبدار جیکب آباد کے بلیدیوں کی برگزیدہ ہستی ہے کوہ
سلیمان میں سخی بور بخش، سخی سرور ہب، دارو پیر بہت بڑی شخصیات ہو گزرے ہیں،
لاشاریوں میں نوبندغ لاشاری جو اپنی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے بے حد مشہور ہو گزرے
ہیں، وہ سونا لٹانے والے کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے اس طرح وہ لاتعداد یتیموں اور
محتاجوں کا وسیلہ بنا جو ہر وقت اس کے پیچھے لگے رہتے۔

اس وقت بھی بلوچوں میں فیاضی و مہمان نوازی کا دستور زمانہ اولی کی طرح قائم
ہے، ہندوستان میں پہلے زمانے میں بلوچوں کے پاس دولت وثروت کے مال مویشی تھے۔
مویشیوں کے ریوڑ، اونٹوں کے گلے، نایاب گھوڑے، غلام اور تلواریں، انعام و اکرام دینا
بلوچوں کا عام وطیرہ تھا۔ سخاوت، مہمان نوازی، بہادری، شہسواری اور وفاداری وہ بنیادی
معیار تھے جن سے قبائل کی ایک دوسرے پر فضیلت اور فوقیت کو جانچا جاتا تھا مزاری قبیلے کی
ایک مثال یہاں بیان کرتا چلوں، مزاریوں میں دو نام بڑے معتبر گزرے ہیں ایک سردار
سر امام بخش خان اور دوسرا نام سردار بہرام خان مزاری۔ ان دونوں سرداروں کے زمانے
میں مزاریوں کی مہمان نوازی مشہور تھی۔ ہر دو سرداروں کے ہاں روجھان میں مہمانوں کے
لئے دو سو بستر بیک وقت تیار ہوتے تھے لیکن پھر بھی بسا اوقات مہمان خانہ میں اس قدر ہجوم
ہوتا کہ مہمانوں کے لئے اور خیمے نصب کرنے پڑتے، اسی طرح آس پاس کے دوسرے
قبائل بھی مہمان نوازی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتی ہیں بلوچ
مزارعہ اپنی اراضی کی پیداوار کا ایک خاص حصہ مستقل طور پر اپنے سردار کو دیتا ہے تاکہ
فیاضی، سخاوت کے میدان میں اپنے قبیلے کے وقار، شہرت کو قائم و دائم رکھا جا سکے۔

انگریز مورخ نیکونا بیان کرتا ہے کہ ''بلوچوں کے لئے مہمان نوازی ایک مقدس فریضہ ہے اوران کے مذہب کا جزو بھی تصور کیا جاسکتا ہے، ایک قبائلی کے گھر کے دروازے ہر آنے والے کے لئے کھلے رہتے ہیں جبکہ ایک دشمن بھی اس کے گھر سے اس وقت تک باہر نہیں جاسکتا جب تک کہ اس کا میزبان اپنی گنجائش کے مطابق بہتر سے بہتر شے کے ساتھ اس کی خاطر تواضع نہ کرے''۔

بلوچ قبائل میں انتقام گیری کا جذبہ اتنا شدید اور تیز ہوتا ہے کہ کسی خاندان کے سب بالغ مرد افراد مارے جاتے تو مرنے والے خاندان کی خواتین اپنے بچوں کو بچپن ہی میں قاتلوں کے نام ازبر کراتی رہتی ہیں تاکہ جب وہ انتقام لینے کے قابل ہو جائیں تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کریں۔قدیم بلوچی نظمیں اشعار اور گیت انتقام کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ بجار خان میر چاکر کے زمانے میں پڑرِندوں کا سردار تھا، بلیدی قبیلہ کے ہاتھوں مارا گیا اس کے بدلے میں بجار خان کے عزیزوں نے بلیدیوں کے سردار ہیبت خان کو پکڑ کر ایک بلند چٹان سے سر کے بل نیچے پھینک دیا اور آتش انتقام کو مزید ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کا سرتن سے جدا کر کے کاسہ سر کو تراش خراش کر پیالہ میں بدل دیا جو بجار خان کے خاندان میں پیالے کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔اس طرح کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ بیورغ کا والد شہ کٹی اور اس کے حواریوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا، شہ کٹی نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے تمام تر اقدامات اختیار کئے مگر پھر بھی ایک روز بیورغ نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا اور شہ کٹی پر ایسا جھپٹا کہ جیسے کوئی باز کبوتر پر جھپٹتا ہے اور ایسا زبردست وار کیا کہ شہ کٹی وہیں ڈھیر ہوگیا۔

دھوکہ بازی اور غداری بلوچوں میں سنگین ترین جرم تصور ہوتا ہے وہ قابل اعتماد اور اعتبار کے لائق فرد ہونا فخر محسوس کرتا ہے۔جنگ کی حالت ہو یا امن کی دھوکہ بازی اور غداری کو وہ ناقابل معافی جرم تصور کرتے ہیں۔ ہر قبیلہ اپنے سردار کا وفادار اور فرماں بردار

ہوتا ہے۔سردار گوہرام خان لاشاری نے جب میر چاکر کے ساتھ جنگ شروع کی تھی تو سب سے پہلے چالیس ہزار جنگجو لاشاریوں سے مخاطب ہو کر انہیں دھوکہ بازی اور غداری سے باز رکھنے کی تلقین کی۔سردار گوہرام خان لاشاری اپنے غیور جانبازوں سے یوں مخاطب ہوا ''میرے غیرت مند اور بہادر لاشاریو، میں تمہاری عظمت اور بے باکی پر سلام کرتا ہوں، آج رِندوں کے سردار میر چاکر رِند نے لاشاریوں کو ختم کرنے کی قسم کھائی ہے لیکن چاکر نہیں جانتا کہ اس نے کس قبیلہ کو للکارا ہے، ان شااللہ لاشار خان کا بچہ بچہ دس دس رِندوں کو کافی ہوگا لیکن ہاں ایک بات یاد رہے کہ جنگ کے دوران ہم نے دشمن سے بھی دھوکہ بازی نہیں کرنی کیونکہ بری عادت ہماری عظیم روایات کے خلاف ہے''۔

ہر بلوچ بڑی سختی کے ساتھ اخلاق اور ننگ و ناموس کے کچھ مروجہ قواعد وضوابط پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان میں سے چند ایک روایتی آداب وضوابط اور اقدار حیات حسب ذیل ہیں۔

1☆ خون کا بدلہ لینا تمام فرائض میں فوقیت رکھتا ہے۔خطہ ارض کے مروجہ قانون کے مطابق خون کا بدلہ لینا شروع سے ہی چلا آرہا ہے۔عظیم مذہب اسلام نے بھی اسی بات کا درس دیا ہے کہ خون کا بدلہ خون۔ہاں اگر مقتول کے ورثا معاوضہ لے کر خدا واسطے معاف کردیں۔

2☆ امانت کے تحفظ کی خاطر جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

3☆ اس شخص کے تحفظ کی خاطر جان کی بازی لگانا بھی بلوچ اپنے لئے فرض سمجھتا ہے کہ جس شخص نے کسی بلوچ کے پاس پناہ لی ہو جسے بلوچی میں (باہوٹ) کہتے ہیں۔

4☆ مہمان نواز ہونا اور مہمان کے جان و مال کی حفاظت کرنا۔

5☆ کسی لڑائی کے دوران جہاں انسانی جانوں کا ضیاع ناگزیر ہوتا ہے۔کسی عورت، کسی

Scanned with CamScanner

58

نابالغ مرد کہ جس نے شلوار نہ پہنی ہو، کسی ہندو اور کسی کمین فرد کے قتل سے اجتناب برتنا (ہندوؤں کو ہمسایہ یا باہوٹ) پناہ لینے والا تصور کیا جاتا ہے۔

6 ☆ اگر کوئی سید یعنی حضور اقدس ﷺ کی اولاد متحارب طریقوں کے درمیان مداخلت کرے تو جنگ کو بند کرنا۔

7 ☆ زانی کو موت کی سزا دینا۔

8 ☆ جب کوئی شخص کسی بزرگوں کے مقبرے میں گھس جائے تو اس وقت تک اس پر ہاتھ نہ اٹھانا، جب تک کہ وہ اس احاطے میں موجود ہے۔

کسی بلوچ کے لئے عزت واحترام ہی اس کی زندگی ہے۔ اس سے عزت واحترام چھین لو تو گویا وہ زندگی سے محروم ہو گیا، وہ اپنی عزت، وقار کے تحفظ کے اپنی ہر متاع بلا تامل قربان کر دے گا۔

59

میر چاکر اور میر گوہرام لاشاری پر ایک نظر

سولہویں صدی عیسوی میں بلوچستان میں بلوچوں کو دو عظیم سردار نصیب ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے قبیلوں کے لئے جان کی بازی لگا دی، میر چاکر نے رِندوں کی سرداری کو خوب نبھایا اور دوسری طرف سردار گوہرام نے لاشاریوں کے لئے ہر جنگ میں اپنا سینہ سپر ہو کر لاشاریوں دفاع کیا۔ چونکہ بلوچستان اور بلوچوں کے حالات وکوائف پر کوئی ہم عصر تاریخ موجود نہیں ہے۔ ہمیں صرف اُن مقامی روایات اور منظوم داستانوں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے جو نسل درنسل منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

ان دو سرداروں کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ان روایات کے قطعی درست ہونے کے بارے میں کچھ بیان کہا جا سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کے لوگ اس قدر باشعور نہیں تھے کہ وہ حقائق واعداد وشمار کو یکجا کر کے تحریری طور پر حالات وکوائف کو جمع کرتے۔ بلکہ وہ تقریری وزبانی طور پر اس استعداد کے حامل تھے۔ بلوچ لوگوں کا نہ کوئی تحریری ادب تھا اور نہ ہی قوانین تھے۔ ان کی آبادی میں انتشار تھا اور ان کی حیثیت ایک بکھری ہوئی قوم کی تھی۔ پندرہویں صدی کے وسط میں مکران کے کسی خطے میں رِند قبیلہ آباد تھا جبکہ ان کے ساتھ گنداواہ کے علاقہ میں جنگجو لاشاری بسے ہوئے تھے، دونوں قبیلے ہر مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا فرض عین سمجھتے تھے۔ اس وقت رِندوں کا سردار میر شیہک اور لاشاریوں کا سردار میر نوبندغ تھا۔ دونوں سردار ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور ہر ماہ اپنے اپنے قبائل کو یکجا کر کے ان میں بہادری اور جنگجو پن کا پرچار کرتے، وقت گزرتا رہا اور یہ دونوں سردار بڑھاپے کے قریب ہوتے گئے۔ میر شیہک جس کے ہاں پہلی دو بیویوں سے کوئی اولاد نہ تھی جس سے وہ ہر وقت پریشان رہتا تھا اس دوران سردار شیہک پچاس سال کی عمر میں پہنچ گیا تو اس نے پڑ رِندوں

Scanned with CamScanner

کے معزز اور عالی نسب خاندان کی خاتون خانزادی کو اپنے نکاح میں لیا۔ پڑ کے بلوچی زبان میں لفظی معنی روئی کے گالے کے بنتے ہیں اور ادبی معنی صاف اور شفاف کے ہیں۔ پڑ رِند اور دیگر رِندوں یہی فرق بہت واضح ہے۔ میر شیہک کے اس خاتون کے بطن سے دس سال میں دو بیٹیاں اور دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑا بیٹا میر چاکر خان تھا جو بعد میں بہت بڑا سردار بنا، جبکہ میر شیہک کے دوسرے لڑکے کا نام سہراب خان رکھا گیا۔

ادھر لاشاریوں کے سردار میر نودھ بندغ کے ہاں پانچ لڑکوں نے جنم لیا۔ میر نودھ بندغ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام میر گوہرام خان تھا جو بعد میں بلوچ تاریخ کا ایک باجبروت اور جنگجو سردار بنا۔ اس سردار نے رِندوں سے آخری وقت تک ہار نہ مانی اور ڈٹ کر جنگ کرتا رہا لیکن افسوس کہ تاریخ سے ناواقف چند افراد نے میر چاکر کے مقابلے میں میر گوہرام کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقائق تو آخر حقائق ہی ہوتے ہیں اس دوران میر چاکر اور میر گوہرام جوان ہوتے رہے۔ دونوں سردار عظیم شہسوار اور بہترین تیرانداز بھی تھے۔ سولہویں صدی کے شروع میں رِندوں نے اپنا سردار میر چاکر کو منتخب کیا۔ اذھر میر گوہرام لاشاری نے سردار بنتے ہی اپنی قوم کو نئے سرے سے ترتیب دینا شروع کردیا۔

میر گوہرام نے میر چاکر کے ساتھ بھی اپنے خاندانی اور برادرانہ تعلقات مزید مستحکم کرنا شروع کردیئے۔ الغرض دونوں سردار خوش وخرم اپنے اپنے علاقوں میں آباد تھے۔ اس وقت یہ دونوں قبیلے ایک تھے ان کا آپس میں خوب اتفاق تھا۔ اس زمانہ میں جو کوئی دوسرا فاتح ان کے علاقوں پر حملہ کرنے کا نہیں سوچ سکتا تھا کیونکہ اس وقت رِند اور لاشار ایک تھے۔

مکران کو الوداع......

ہمسایہ خطہ سندھ کی زرخیزی اور سمہ خاندان کی شان وشوکت کے بارے میں عجیب د

غریب کہانیاں ہندوستان کی دولت وثروت کے افسانوی بیانات، دس سال قبل سہراب خان دودائی کے ساتھ ملتان میں لانگاہ حاکم کے فیاضانہ سلوک کے مظاہرے اور مکران کی ویرانی وخشک سالی وہ عوامل تھے جو مہم جوئی، حصول دولت، تلاش روزگار کے لئے نئے افق ڈھونڈنے کی خاطر اس نسل کے جذبہ کو ابھارنے کے محرک بنے۔

مکران میں چاکر خان من موہنے کے لئے اب کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ درحقیقت اس کی ناموری اور شہرت کے سورج نے اسے مکران کو الوداع کہنے کے بعد طلوع ہونا تھا۔ اس خطہ ارض کے بنجر پن اور محدود وسائل اس کے لئے سخت مسائل کا باعث بنے ہوئے تھے۔ خانہ بدوش بلوچ قبائل کے ریوڑوں اور گلوں کے کافی چراگاہیں نہیں تھیں۔ پوری نسل کو مسلسل اضافہ آبادی کی بدولت ایک معاشی بحران کا سامنا تھا۔ عوام الناس اس زندگی سے تنگ اور غیر مطمئن تھے۔ چاکر نے کیچ میں مختلف قبائل کے سرداروں کو جمع کیا جن میں لاشاریوں کے سردار میر گوہرام خان لاشاری کو امتیازی حیثیت حاصل تھی کیونکہ سردار گوہرام لاشاری قبیلہ کا ایک بہت بڑا سردار تھا۔ میر گوہرام نے بھی چاکر کے اس فیصلہ کا ساتھ دیا کہ جس میں قبائل نے ہجرت کرنا تھی علاوہ ازیں چاکر نے دور دراز کے قبائل میں قاصد روانہ کئے کہ وہ عام ہجرت اور کوچ کے لئے تیاریاں مکمل کرلیں۔ چاکر اور گوہرام کے اس فیصلے نے بلوچوں کی قسمت بدل دی۔ تمام قبائل رِند، لاشاری، جتوئی، ہوت، کورائی، مری، بگٹی، رخشانی، موسانی، سنجرانی، موہانی، نمردی، سرگانی، سیاہ پاد، بلیدی وغیرہ سیلاب کی طرح امنڈتے ہوئے کیچ میں جمع ہوگئے۔ اس طرح پانچ تا چھ لاکھ کا لشکر جرار جم غفیر دو سرداروں میر چاکر اور میر گوہرام کی قیادت میں روانہ ہوا۔ روانگی سے قبل دس ہزار رواچی و پیالہ بردار اور غلام جن کی اکثریت جت تھی، کھویل جت کی سرکردگی میں اس لشکر جرار میں شریک ہوئے۔ 1485ء میں بلوچوں کی عادت کے مطابق رات کے پچھلے پہر چاکر گوہرام نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مکران کو الوداع کہا۔ اس خطہ کو بغیر کسی حکمران و آقا

کے پیچھے چھوڑ دیا بلوچوں کی ہجرت کی مظلوم داستانوں میں ایک نہایت مؤثر انداز میں تصویر
کشی کی گئی ہے۔ اسے ڈیمز (انگریز مورخ) نے جمع کر کے انگریزی زبان میں بیان کیا
ہے۔ اس کا متن کچھ یوں ہے۔

''معزز رِندوں اور لاشاریوں نے اپنے اپنے قبائل کو آواز دی، بہادر رِند اور
لاشاری وادی کیچ اور مکران کے باغات میں مقیم تھے۔ ان کے ساتھ ڈومبکی تھے جو بلوچ
آبادیوں میں سب سے بڑا گھرانہ ہے۔ رِند اور لاشاریوں نے باہم عہد و پیمان کیا اور
دعوت دی کہ آؤ یہاں سے کوچ کریں، ان غیر آباد علاقوں کو خیر باد کہیں۔ ہمیشہ بہنے والی
ندیاں اور دریاؤں اور سر سبز زمینوں کی جستجو کریں اور ان کو آپس میں تقسیم کرتے جائیں۔

جب وہ اپنے گھروں میں آئے تو ان سرداروں نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ
سڈول جسم کی گھوڑیوں کو اصطبلوں سے نکال کر تیار کریں اور باد جیسی تیز رفتار گھوڑیوں اور
نوہزاری سمندروں پر زین کس لو۔ دروں اور چراگاہوں سے سڈول اونٹوں کو گلوں سے
ہانک لاؤ۔

ان سرفروشوں نے اپنی محبوب بیویوں سے کہا کہ اپنے ایوانوں سے نیچے اتر آؤ،
اپنے غالیچوں اور خوبصورت تکیوں کو لپیٹ لو، اپنے پیالوں اور مکرانی قدحوں کو لے آؤ
کیونکہ اب چاکر اور گوہرام مزید یہاں قیام نہیں کریں گے اور دور افتادہ خطوں کی جانب
چلے جائیں گے۔ فیاض لاشاریوں اور رِندوں نے اپنی قبائیں اور پگڑیاں پہن لیں۔ لمبی
لمبی سرخ جوتیاں پیروں میں ڈالیں۔ خود ڈھال، تیر کمان، خنجر اور جملہ ہتھیاروں سے خود کو
لیس کیا۔ رِندوں کے چالیس ہزار جنگجو شہسوار اس لشکر جرار کے ہراول دستے کے طور پر بڑھ
رہے تھے۔ چالیس ہزار لاشاری اپنی تلواریں سرخ نیاموں میں ڈالے میسرہ اور میمنہ کے
محافظ تھے۔ تیس ہزار میر عالی اپنے سردار میر ہیتان کی قیادت میں دس ہزار غلاموں کے علاوہ
عقب میں اس سیل رواں کے پہرہ دار تھے۔ (میر عالی میر جلال خان کا چھوٹا بھائی تھا اور

اس کی کوئی اولاد نہ تھی) ایک روز کچھ لاف زنوں نے شیخی بگارتے ہوئے چند بلیدی معتبرین
کی موجودگی میں طنز و مزاح کے جملے کسے، جس سے وہ مشتعل اور ناراض ہو گئے اور جواب
دیا کہ آج کے بعد بلیدی اپنے آپ کو میر عالی کی اولاد کہیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ
میر عالی پوترو کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں اونٹ، گھوڑے اور خچر ساز و
سامان سے لدے ہوئے تھے اور عورتیں، بچے اور بوڑھے ان پر سوار تھے۔ جس میں تمام
طبقوں اور عمر کے لوگ شریک تھے۔ امراء و غرباء کی کوئی قید و تمیز نہیں تھی۔ اس طرح یہ قافلہ
عالم مشرق کی شاہی اور مسحور کن زندگی کا ایک چھوٹا مگر حسین پیکر تھا۔ اس کے ساتھ پُر جوش
اور دلنواز گیت گانے، نغمے الاپنے اور ساز بجانے والے بھی جا رہے تھے۔

جتی شکل و شباہت کے حامل غلام ڈھول بجا بجا کر اس پر شکوہ روانگی کی تقریب کی
شان و شوکت میں اضافہ کر رہے تھے۔ یہ پورا منظر ایک ایسے پر سطوت اور پر شکوہ جلوس کا
مظہر تھا لیکن اس سخت جان اور عاقبت نا اندیش نسل کی صفوں میں سیاسی اتحاد، تدبر، انتظامی
صلاحیتوں اور سیاسی قوت و اختیار کے حصول میں فقدان تھا۔ اس لئے سندھ اور پنجاب کے
میدانوں کی جانب ان کی تاریخی پیش قدمی سے ہندوستان کی تاریخ کی راہ متعین کرنے میں
بہت ہی کم اثرات پڑے مگر بلوچوں کی جان میں حرکت موجود تھی۔ چند روز کے سفر کے بعد
بلوچوں کا یہ طاقتور کارواں مشکے کی وادی میں داخل ہو گیا۔ وہاں پر بہت سے قبائلوں کو جو
رہزنی میں نا قابل اصلاح تصور ہوتے تھے، راہ راست پر لائے اور ان کو سر تسلیم خم کرنے پر
مجبور کر دیا۔ مشکے سے وہ خضدار کی جانب بڑھ گئے۔ راستے میں کچھ قبائلوں کو انھوں نے ان
کی نافرمانی اور سرکشی کی سزا دی، خضدار میں چند ہفتے آرام کرنے کے بعد لاشاری سردار
میر گوہرام اپنے قبیلے کے ساتھ میر چاکر کے صلاح مشورے سے دڑہ مولا کے راستے
جھلاوان کے پہاڑی علاقوں میں داخل ہو گئے اور کچھی کے میدانی علاقوں تک چلے گئے۔
بالآخر کچھ روز کے دشوار گزار سفر کے بعد لاشاری قبیلہ گنداواہ اور گاجان پہنچا اور وہیں اپنی

رہائشی کا بندوبست کیا جہاں آج تک لاشاری آبادی ہیں۔

کچھ دیگر قبائل رخشانی اور کلمتی بھی میر چاکر کی حکمت عملی اور خواہش کے مطابق اس بڑے درّے کو چھوڑ کر پچھلی جانب سفر کرتے ہوئے لسبیلہ اور ساحلی علاقوں میں پہنچے، کیونکہ وہ اپنی نسل کو دور افتادہ علاقوں سے گوشے گوشے تک پھیلانا چاہتے تھے۔ خضدار سے روانگی کے بعد میر چاکر نے اپنے سرفروش رِندوں اور باقی ماندہ قبائل کے ساتھ قلات کے بالائی کوہستانی علاقوں کی جانب پیش قدمی کی۔ خضدار سے لے کر قلات تک پھیلے ہوئے وسیع علاقے کو اپنے زیر تسلط کیا۔ راستے میں کئی قبائل نے علیحدہ علیحدہ جزوی طور پر مزاحمت کی مگر بری طرح شکست کھائی۔ باوثوق روایات کے مطابق اس وقت قلات کا حاکم میرواڑی قبیلے کا عوصر تھا جو اس جگہ کو فتح کر کے حاکم بنا تھا یہ شہر بلوچوں نے بڑی مزاحمت کے بعد فتح کیا، اس فاتح کا دوسرا اقدام قلات کے قرب و جوار کے ان قبائل کو زیر کرنا تھا جو سرکشی اور تاخت و تاراج میں رسوائے زمانہ تھے۔ اس نے ان باقی ماندہ قبائل کو گوشمالی کر کے ان کو اطاعت گزاری پر مجبور کیا اور ان کو شورش پسندی کو راہ راست پر لے آیا۔ اس طرح ہر قبیلہ ان کی اطاعت کرتا گیا۔ بعد میں اور بھی بہت سے بلوچ قبائل جوہان، نرمک، رودبار اور سبویری کے راستے درّہ بولان میں داخل ہوگئے۔ پھر یہاں سے ڈھاڈر پہنچے اور اس کی زرخیز زمینوں کو دیکھا پھر وہ سیدھے سیوی (سبی) چلے گئے جو کہ اس وقت ایک دفاعی فصیل میں گھرا ہوا تھا، جس پر آسمان سے باتیں کرنے والے دفاعی مینار تھے۔ سبی کی دلکشیوں اور خوبصورتیوں نے ان کے دل موہ لئے۔ وہ پھر سرعت کے ساتھ اسی راستے پر سفر کرتے ہوئے سیدھے قلات چلے گئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کی پوری تفصیلات اپنے سردار کو بتادیں جو جلد ہی اس کے کمال و زوال اور تباہی کا مرکز بننے والا تھا جب موسم سرما شروع ہوا اور جسم کو ٹھٹھرانے والی یخ بستہ ہوائیں شروع ہوگئیں تو بلوچوں کے لئے بھی مرکزی کوہستانی علاقوں کی خون منجمد کرنے والی سردی کو سہنا اور برداشت کرنا مشکل

ہوگیا، مزید براں میر چاکر اور میرگوہرام نے اپنے کارناموں میں مزید اضافہ کرنے کی خاطر سیوی اور کچھی کے میدانوں کی جانب کوچ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا، اسی سال کے موسم زمستان میں بلوچوں کے جم غفیر نے ماسوائے چند قبائل کے اپنے خیمے اکھاڑے اور گھوڑوں کو تیار کیا۔ رخشانی، سنجرانی، سیاہ پاد اور کبدانی قلات میں رہ گئے مگر یہاں بھی مختصر سا قیام کرنے کے بعد خاران، نوشکی اور چاغی کی جانب چلے گئے۔ ادھر میر چاکر اپنے قافلے کے ساتھ سطح مرتفع قلات کے اردگرد پھیلے ہوئے سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان واقع ناہموار سخت راستوں پر اور وسیع وادیوں میں سے آہستہ آہستہ قدم بقدم سفر کرتا ہوا درہ بولان میں داخل ہوگیا اور اس نے منزل بہ منزل پیش قدمی کرتے ہوئے آخرکار ڈھاڈر میں آکر اپنا پرچم گاڑا۔ یہاں پر کچھ عرصہ قیام کے بعد چاکر نے اپنا ڈیرہ ڈھاڈر سے سبی منتقل کیا۔ ادھر لاشاری اپنے عظیم سردار میرگوہرام لاشاری کی قیادت میں گنداواہ اور کچھی سے لے کر گاجان تک قابض ہوچکے تھے۔ چاکر خان کے چچازاد بھائی میہان نے ڈھاڈر میں قیام کیا اور اپنی سرداری قائم کی۔ میر عالیوں (بلیدیوں) نے درہ ہرنائی کے دہانے پر اپنے سردار میر ہیبتان کی سرکردگی میں موجود گلو شہر پر قبضہ کر کے اپنے خیمے نصب کئے۔ اس طرح میر بیورغ نے پڑرِندوں کے ایک حصے کے ساتھ ڈھاڈر اور مٹھری کے درمیان دریائے ناڑی کے مغربی کنارے پر پڑاؤ کیا۔ میر بجار پڑ نے نلی کے پہاڑوں کے قریب سیوی کے مشرق میں سکونت اختیار کی۔ لوحانیوں نے لاشاریوں کے ساتھ اپنے سردار عوصر کی قیادت میں درہ نلی کے قریب قیام کیا جو کہ گاجان کے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ صوفی منش اور درویش صفت کہریوں کی اکثریت نے کورزمین اور پچھلجی کے میدانوں کی جانب کوچ کیا، مگر ان کا سربراہ شہہ مبارک کچھ رند خاندانوں کے ساتھ شوران میں رہ گیا۔ کورائی قبیلہ بھاگ منتقل ہوگیا جبکہ کھوسوں نے جنوب کی جانب اپنے ڈیرے ڈالے اور جدید روجھان کے قریب اپنی کئی بستیاں آباد کیں۔ اس طرح بلوچ حملہ آور اور مہاجر اپنی محدود آبادی کے باوجود انتہائی

ہمت و جرات اور تیزی کے ساتھ اس خطے کے تمام میدانوں اور سطح مرتفع میں سیلاب کی طرح اٹھے اور پھیل گئے اور اپنے ریوڑوں اور گلوں سمیت اپنے شجاعانہ کارناموں سے اس ملک کو بعد ازاں بلوچستان کے نام سے مشہور و معروف کر کے روشناس کرایا۔ ادھر سیوی (سبی) پر جام نندہ کی حکومت تھی۔ اس کے چاروں طرف رِند بلوچ چھا گئے ہوئے تھے۔ گویا سیوی ایک طرح بلوچ لشکر کے محاصرے میں تھا۔ جام نندہ نے مایوسی اور خوف و ہراس کے عالم میں سیوی کو میر چاکر کے سپرد کر دیا۔

بلوچ نسل کا زوال اور باہمی تقسیم وانتشار

سردار میر چاکر بغیر کسی نقصان اور تباہی کے سبی کا واحد مالک بن گیا تھا۔ جام نندہ نے پھر کبھی سبی اور اس کے گردونواح کے علاقوں پر دوبارہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے نظر بد نہ ڈالی لیکن بد قسمتی سے چاکر کی عظمت اور شہرت کو لمحہ بھر کے لئے استقلال کا موقع نہیں ملا کیونکہ بلوچوں کے سنہری دور شروع ہونے پر اس نسل میں باہمی کشمکش اور کدورت کی فضاء جلد پیدا ہوگئی۔

ہر جگہ امراء وشرفاء کے دلوں میں رشک وحسد اور سازشوں نے جنم لینا شروع کیا۔ بلوچی معاشرتی زندگی کی پرانی اور مخصوص خامیاں، قبائلیت اور مجنونا جنگی خصائل دوبارہ عود کر آئے۔ لاشار اور رِند قبائل میں سبی اور گنداواہ کی زرخیز اراضیات کی تقسیم پر ابتدا میں پرخلوص اعتماد پیدا ہوا تھا مگر جلد ہی اس مساوات اور ہمسری میں باہمی کشمکش اور ہنگامہ خیزی نے اختلاف کی صورت اختیار کر لی۔ کیونکہ چاکر اپنے کسی ہمسر اور ہم مرتبہ شخصیت کو برداشت کرنے کا روادار نہیں تھا اور میر گوہرام لاشاری کسی کی برتری اور عظمت کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ گوہرام آہستہ آہستہ مگر تیزی کے ساتھ بہت طاقتور بنتا جا رہا تھا جو چاکر کے لئے سوہان روح بن گیا تھا کیونکہ اس کے اثر و نفوذ کے افق پر دو سورجوں کی قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی تھی۔ چاکر کا مطمع نظر تھا کہ سب کچھ کا وہ مالک بن بیٹھے یا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ لاشاریوں کی کثیر نفری اور گوہرام کے ولولہ انگیز کردار سے چاکر کو عظیم خطرہ کی بو محسوس ہوئی کیونکہ خوف کا عنصر عموماً نفرت کا محرک ہوتا ہے۔ اب محبتوں کی جگہ نفرتوں نے جنم لینا شروع کیا، وہ سردار جو کبھی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے آج ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے اور ایک دوسرے کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ حد سے زیادہ بغض و کینہ کی وجہ سے انتہائی تلخی پیدا ہوئی۔ ان دونوں آتش صفت اور اولوالعزم ہستیوں کے ناقابل حل اور

فتنہ پرداز سخت اختلافات کی بدولت تین عشروں تک کشت و خون اور تباہی و بربادی نے خوب رنگ دکھایا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں بلوچ لوگوں میں رِند اور لاشاری قبائل کی جداگانہ حیثیت کی بناء پر عمل پذیر انتشار کا رونما ہونا بلوچوں کی سب سے بڑی بدقسمتی کا باعث تھے۔ سبی، ڈھاڈر اور کچھی کا پورا علاقہ میدان کارزار میں تبدیل ہوگیا۔ ان کی مجنونانہ جنگوں نے پوری بلوچ نسل کو کشت و خون کے سمندر میں ڈبو دیا اور بلوچوں کے اقتدار اعلیٰ کی بنیادیں مستحکم ہونے سے پہلے ہی زمین بوس ہوگئیں۔ دونوں قبائل نے خانگی طور پر جنم لینے والی اپنی قبائلی نفرت کی آگ کو صلح و آتشی کے ذریعے بجھانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ رِند و لاشار سماج کی بہترین اور معزز ترین شخصیات قبائلی لڑائیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

بلوچ زعما میں سے کسی کو نفرت و عناد کی اس دیوار کو ڈھانے اور دونوں قبائل کی طویل خانہ جنگی کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ایک دوسرے پر حملے اور چھاپے بالآخر دو بڑی قابل ذکر جنگوں پر منتج ہوئے جن میں آخری جنگ نے بلوچ نسل پر مہر زوال ثبت کردی۔ سبی اور اس کے گرد و نواح میں رِند و لاشار کی جنگوں نے ریاست کی بنیادیں منہدم کردیں اور بلوچوں کی برتری و فرمانروائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کردیا۔ دونوں قبائل کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگئی تھی۔ میر چاکر نے رِندوں بشمول میر عالیوں کے جمع کیا، متحارب افواج موجودہ مٹھروی کے گاؤں سے چار میل دور مغربی جانب ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئیں۔ لاشاریوں کا لشکر تیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، صبح سویرے حریف دستوں نے خاموشی کے ساتھ ہمت و حوصلہ سے سرشار ہوکر اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے۔ لڑائی کی تیاریوں میں شور و غل اور آوازوں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ ڈھول اور باجے بجائے گئے اور لڑائی کا آغاز ہوگیا۔ اور حریف سرفروشوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی برق رفتاری کے ساتھ ایک دوسرے کی صفوں پر ہلہ بول دیا۔ تلواروں اور ڈھالوں کے ٹکراؤ اور تیروں کی سنسناہٹ نے تباہی و بربادی کا ہولناک منظر پیش کیا۔

تلواروں کی جنگ کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جس کی نظیر دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ ہولناک کشت و خون کا بازار گرم کیا گیا تب سورج غروب ہونے لگا، ادھر میر گوہرام لاشاری کی فتح شکست میں تبدیل ہوچکی تھی، رِندوں کو لاشاریوں کے انتہائی جوش و خروش کے اکھڑپن کے مقابلے میں فتح و نصرت نصیب ہوئی۔ اس لڑائی میں بلیدی قبیلہ کی کوش شاخ کے لوگوں نے بہادری کے اعلیٰ مظاہرے کیئے اور بے جگری سے لڑنے کے جوہر دکھائے، چاکر ان کوششوں کو اس کے صلہ میں کچھ اراضیات اور دریائے ناڑی کے کالے پانی کا تیسرا حصہ بطور انعام بخش دیا، وہ آج تک ان کے قبضہ تصرف میں ہے۔ کوش اب سبی ضلع کے کچک قبیلے کا ایک حصہ ہیں۔

نلی کی جنگ

1484ء تا 1504ء کے دوران کم از کم بیس سال تک معمولی اور غیر اہم وجوہات کی بنا پر رِند و لاشار قبائل کے درمیان قسمت کی ستم ظریفی سے جنگ و جدل ہوتی رہی جس میں قسمت کی دیوی کبھی کسی کا ساتھ دیتی اور کبھی دوسرے کا پلڑا بھاری رہتا۔ ان معرکوں میں سے ایک معرکہ میں جو ریخ کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے بیورغ رِند شدید زخمی ہوگیا تھا اس لڑائی سے رِند نہایت برافروختہ ہوگئے تھے۔

اس ہولناک جنگ کی کچھ وجوہات ہیں جو یہاں بیان کرنا نہایت ضروری ہیں۔ میر چاکر کا ایک عزیز میر ریحان اور میر گوہرام کا بیٹا رامن ایک موچی کی بیوی کے زلف کے اسیر ہوگئے جس کے حسن و جمال کا گھر گھر چرچا تھا، وہ اپنی خوبصورتی، خوش پوشی، لطافت اور نازک اندامی کی بناء پر میر ریحان اور رامن لاشاری کے درمیان وجہ نزاع بن گئی۔ ان دونوں دوستوں نے اس عشق و محبت کے مسئلے کا باہمی فیصلہ کر کے یہ حل نکالا کہ وہ اپنے مشہور گھوڑوں پر سوار ہو کر شہسواری کا مقابلہ کریں گے۔ دوڑ کی اس بازی میں جو جیت جائے گا یہ متنازعہ حسینہ انعام کے طور پر اس کی ہوگی۔ رِندوں میں سے دو افراد منصف مقرر کئے گئے، رِندوں نے چالبازی سے رامن لاشاری کے گھوڑے کا راستہ روک دیا اور اس طرح ریحان رِند آگے نکلا گیا۔ منصفوں نے جیت کا فیصلہ ریحان رِند کے حق میں دے دیا۔ رامن لاشاری نے اس دھوکہ پر سخت احتجاج کیا اور اپنے برق رفتار سمند گھوڑا کے حق میں ناانصافی تصور کر کے غصے کے عالم میں واپس گنداواہ کی راہ لی۔ اس نے کچھ لاشاریوں کو حکم دیا کہ وہ حسن و جمال کی پیکر مشہور و معروف نازنین خاتون گوہر جتنی کے اونٹوں کے گلوں کو نقصان پہنچائیں اور ان کو چرالیں۔ گوہر جتنی خوبصورت تھی اور ریوڑوں، گلوں اور اونٹوں کی مالکہ ہونے کی بناء پر بہت دولت مند اور باثروت بھی تھی اور شان و شوکت کی زندگی گزارتی تھی۔

بڑے بڑے تنازعے معمولی معمولی باتوں سے جنم لیتے ہیں۔ گوہر جتنی کی داستان نے بلوچوں کی تاریخ کا رخ بدلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ایرانی بلوچستان سے ترک مکانی کر کے گنداواہ آ گئی تھی اور گاجان کے قریب ہی آباد تھی۔ وہ وہاں کچھ عرصہ کے لئے مقیم رہی لیکن بعد ازاں سبی منتقل ہوگئی یہاں وہ میر چاکر کے زیر تحفظ رہنے لگی۔ اس کا مال و دولت اور اس کا حسن و جمال رِندوں اور لاشاریوں کے درمیان وجہ نزاع بن گیا۔ لاشاریوں نے اس طرح اس کے اونٹوں کے گلوں پر ہلہ بول دیا، جتوں کو مارا پیٹا، دودھ دوہنے والے برتن دھوالے، اونٹوں کے معصوم بچوں کو ذبح کر کے ان کی بجی اور کباب بنائے گئے۔ ساتھ ہی اس کے ایک کوہان والے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔

چاکر کو اس ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع دی گئی اس نے تمام رِند اشرفیہ کا ایک جلسہ منعقد کیا اور ان شرفاء کی رائے لی، کسی نے بھی اس کی رائے سے اختلاف کیا اور نہ ہی صورت حال کی نزاکت کا احساس کیا، سب نے متفق ہو کر خون کی ہولی کھیلنے کا عہد و پیمان باندھا مگر عظیم بیورغ ایک معمولی سے مقصد کے لئے اس قدر شدید ردعمل اور ہولناک جنگ کے خلاف تھا۔ اس نے معقول دلائل کی روشنی میں اس متوقع طوفان بلاخیز کو روکنے کے لئے قائل کرنے کی بڑی سعی کی مگر کسی نے اس کے صلاح مشورے کو وقعت نہیں دی۔ خداوند عزوجل جن کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو پہلے ان کو پاگل پن اور جنون کی کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تنگ نظر ریحان جس کا کردار حرص، بغض و کینہ اور سفاکی کا مجموعہ تھا، جنگ پر اسرار کرتا رہا اور وہ دوسروں کے ساتھ اس آتش سوزاں کو ہوا دے کر بھڑکانے میں کامیاب ہوگیا۔ نوحانیوں کے سردار عومر نے جو آزاد خیال اور وسیع النظری میں مشہور و معروف تھے جنگ نہ کرنے کی بہت تائید کی، لیکن چاکر خان نے بلاغور و فکر اپنے شرفاء و امراء کے غلط مشورے کو تسلیم کر لیا اور ایک انتہائی پر خطر اور فیصلہ کن انقلابی معرکے کو ہر قیمت پر سر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا جس کی نظیر بلوچی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نے آنکھیں بن

کر کے ہر قسم کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ عومرا اپنے ایک ہزار تجربہ کار جنگ بازوں کے ساتھ بیس ہزار برق رفتار تازی گھوڑوں کے ساتھ جمع ہو گئے۔ ادھر بیس ہزار لاشاری ہر قسم کے مہلک جنگی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر درّہ نلی کے پاس جمع ہو گئے۔ زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے جنگ کے میدان اور مقام کا اپنی پسند کے مطابق انتخاب کرنے میں فائدہ اٹھایا۔ لاشاریوں کے سردار نے اپنے دستوں کو درّہ کے بالائی حصوں پر جنگی نقطہ نگاہ سے اہم اور بہترین مورچوں پر تعینات کر کے گھات میں بٹھا دیا۔ میدان کارزار کی طرف جنگ کے لئے روانگی سے تھوڑی دیر پہلے بیورغ سے صحیح اور معقول دلائل کے ساتھ چاکر سے درخواست کر کے اس کے گھوڑے کی باگوں کو پکڑ کر اسے سخت تنبیہ کرتے ہوئے یوں کہا کہ چاکر سردار اپنی تلوار کو نیام میں ڈالو، کیونکہ لاشار ہزاروں جنگجو جیالوں پر مشتمل ہیں۔ اور سرخ نیاموں والی لاشاری طاقتور جری اور بہترین جنگجو ہیں انہیں ہمارے ناقابل تسخیر قلعے پر حملہ کرنے دو۔

تمہارے لئے پیچھے ہٹنا ناممکنات میں سے ہوگا اور آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا ہوگا۔ بچوں کی طرح دودھ پینے والا بیورغ شیروں کی ہیبت سے لرزہ براندام ہے اسے شاید رخ کی لڑائی کے زخم یاد آتے ہیں، اے بیورغ ڈرو نہیں، جب ہم دشمن کے خلاف اپنی برہنہ تلواریں لہرائیں گے تو ہم دشمن کے نیزوں کی زد سے بہت دور بٹھائیں گے۔ بیورغ نے یہ توہین آمیز کلمات سن کر شدید غصے کے عالم میں گھوڑے کی باگیں چھوڑ دیں اور چاکر کو انتباہ کیا کہ اسے آج ہی کے روز اپنے آج کے کئے ہوئے پر پچھتانا پڑے گا۔ ہتھیاروں سے مسلح میر ہان نے جو کمان دار سپہ سالار اور مثالی شخصیت تھا۔ اپنی افواج کی قیادت کرتے ہوئے یک لخت اکٹھے ہی بھرپور ہلہ بول دیا۔ پہلی ہی یورش میں لاشاریوں نے تیروں کی بارش کر دی، اور اپنی پوری قوت کے ساتھ رِندوں کے ہراول دستوں پر یلغار کر دی اور رِندوں کے شہسواروں اور گھوڑوں کا صفایا کر کے ان کی کمر توڑ دی، اس جنگ کا سپہ سالار

میر ہان کام آیا اور بیورغ کو کاری زخم آئے۔ اب رِند پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، لاشاریوں نے رِندوں کا تعاقب کرنا شروع کر دیا، بیورغ جب شدید زخمی ہو گیا تو لڑائی لڑنے سے معذور ہو کر لڑائی کے دوران نزدیکی پہاڑی غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا جو آج بھی بیورغ کے غار کے نام سے مشہور ہے۔ میر چاکر کا بھائی سہراب خان نے جو جوش و جذبہ اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے مگر وہ بھی لاشاریوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشت و بربریت اور جنگی جنوں سے پاگل ہو کر دونوں حریفوں کی افواج ہزاروں کی تعداد میں ایک دوسرے کا بے تحاشا خون بہاتی رہیں، حتیٰ کہ کوئی بھی ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میدانِ کارزار میں ایک ایسا طوفان برپا تھا کہ لڑائی کا حتمی فیصلہ ہوئے بغیر لڑائی ختم نہیں سکتی تھی۔

موت کا فرشتہ اپنی پوری بربریت کے ساتھ روحوں کو قبض کرنے میں سرگرم عمل تھا، سر کے بدلے سر قلم ہو رہے تھے، اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جا رہا تھا، غیض و غضب اور بے جگری کارفرما تھی، شجاع رِندوں نے انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن جنگوں کی قسمت کا فیصلہ ایک دوسری نادیدہ طاقت کے ہاتھوں میں ہے دوپہر تک جنگ کا توازن برابر رہا، سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے رِندوں نے اپنی صفوں کو پھر درست کیا اور نئے عزم و ولولہ کے ساتھ آگے بڑھے، مگر ان کی طاقت و قوت، حکمت عملی، وسائل اور خود اعتمادی میں سے کسی کو بھی کامیابی و کامرانی نصیب نہیں ہو سکی اور نوشتہ تقدیر کو تسلیم کرنا ہی پڑا جس میں سے اب کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی لاشاری اب اپنے پیہم حملوں، سخت جد و جہد اور برق رفتاری کی بدولت زیادہ مستعد اور حاوی ثابت ہوئے۔ لاشاری سردار اعظم میر گوہرام خان ہراول دستہ کی قیادت کر رہے تھے چاروں طرف اپنے لشکروں کی ہمت بڑھا کر مسلسل بڑھا رہے تھے، رِندوں کی ہمت ختم ہو رہی تھی چاکر خان اس افراتفری کے عالم میں میدان کارزار کے ایک گوشے میں آتش فشاں غصے اور پرنم آنکھوں

کے ساتھ خاموش اور ساکت بت بنا کھڑا تھا۔

اس کا بھانجا نوذبندغ لاشاری اس کے قریب آیا اور اسے اپنی تیز رفتار گھوڑی موسومہ پُھل پیش کی اور اسی طرح اس نے میر چاکر کو ہولناک میدان جنگ سے صحیح و سلامت نکل جانے میں اس کی مدد کی، وہ شکست خوردہ گھائل اور جنگ و جدل سے نڈھال فوجوں کے ساتھ غم و اندوہ کی حالت میں سبی پہنچا۔ اس پر یہ احساس طاری تھا کہ وہ تقدیر کے شوریدہ سمندر کی طوفانی لہروں میں تنکوں کی مانند بہہ گیا تھا۔ جس پر قابو پانا اور اختیار رکھنا اس کے بس سے باہر تھا، رِند جانباز رات کی تاریکی کے پردے میں آخری دم تک لڑتے رہے لیکن کامیابی انکی قسمت میں نہ تھی۔ ذلت آمیز شکست کے بعد میدان کارزار سے پسپا ہونا شروع ہوگئے۔ کسی ایک دن میں اتنی بڑی جنگ اتنی شدت و بربریت کے ساتھ نہ تو پہلے کبھی لڑی گئی اور نہ ہی اب آگے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ قدرت نے دونوں فریقوں کے جیالے جانباز سپاہیوں کی اس قدر بڑی تعداد میں خون بہا اور ان کی ہڈیاں ان کی بدبختی اور بداعمالیوں کی یادگار رہیں۔

بڑے جانی و مالی نقصان کے بعد لاشاریوں کو فتح و نصرت اور کامرانی کا پرشکوہ پرچم بلند کرنے کا موقع نصیب ہوا، مِیر گوہرام لاشاریوں کے سردار نے چاکر کو اپنی عظمت اور شہرت کو چار چاند لگانے کا موقع فراہم کیا تھا۔ مگر نلی کی ذلت آمیز شکست نے اسے پشیمانی کا سامان مہیا کردیا، اس کی شخصیت، شہرت اور وقار کو بڑا دھچکا لگا۔ وقت نے جس میں سب کچھ ہڑپ کر لینے کا مادہ مضمر تھا۔ چاکر کو ناکامی و نامرادی سے ہمکنار کر کے اس کے افتخار طاقت اور قوت کو پاش پاش کر دیا تھا۔ اپنے نامور و معروف چچازاد بھائی جری میرہان کے عین عالم شباب میں فراق کا غم سہنا پڑا اور اپنے ہزاروں دیگر جیالوں اور جنگجوؤں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس نے بام عروج پہنچ کر اپنی سابقہ ہردلعزیزی کے نقوش کو پامال کر دیا۔ نلی کی شکست نے بلوچ سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور رِندوں کو اپنی نسل کے اعلیٰ ذہنوں اور بہترین

ہستیوں سے محروم کردیا۔ بدبختی اور زبوں حالی کی خبروں کو جیسے پر لگ جاتے ہیں۔ چاکر تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ عظیم بیورغ بھی میرہان کے ساتھ مارا گیا ہے۔ ان کی موت کی جانکاہ خبروں کو سن کر غم و اندوہ سے اس کا سینہ شق ہوگیا۔ دو روز تک اس نے غم و اندوہ کی حالت میں گزارے اور کسی سے بھی کسی قسم کی گفتگو نہ کی۔ جیسے اس کی زبان گنگ ہوگئی ہو۔ تیسرے روز عام دستور و رواج کے مطابق اس نے جنگ میں مارے گئے لوگوں کے غم میں آسروخ (عام ماتم غم) کرنے کی تیاریاں شروع کردیں کہ اچانک ایک شخص غیر متوقع طور پر اس کے پاس یہ مژدہ لے کر آیا کہ اس نے سبی سے چند میل دور بیورغ کو شہر کی جانب آتے ہوئے دیکھا ہے۔ حیرانگی، مسرت کے سالم میں اس نے ماتمی تہوار کو روک دیا۔ اس دوران بیورغ بھی پہنچ گیا اور چاکر سے ملا۔ اس نے وفور جذبات اور انتہائی محبت سے مغلوب ہوکر اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا اور اس کی پیشانی کو والہانہ انداز میں بوسے دیئے۔ چاکر خان نے ماتمی تہوار منانے کا خیال ترک کردیا۔ روایت ہے کہ اس موقع پر اس نے یہ کلمات ادا کیے، اگر بیورغ زندہ ہے تو اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں، خواہ تمام رِند میدان جنگ میں کام آجاتے۔ غلطی کرنے کے بعد ہر شخص کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں جب عمر کے آخری برسوں میں چاکر پر ضعف طاری ہوگیا اور اختیار، افتخار بھی حاصل ہوا تو وہ نلی کی جنگ لڑنے پر بڑا نادم اور پشیمان رہا اور رِندوں کی تباہی و بربادی کے عظیم نقصان کو بھی دل سے فراموش نہ کرسکا۔ زندگی بھر میرہان کے غم میں نوحہ کناں رہا، نلی کی جنگ آخری غلطی تھی جو چاکر سے سرزد ہوئی اور جس کا خمیازہ اسے بڑا سخت بھگتنا پڑا، ویسے وہ بلوچ تاریخ میں ایک اعلیٰ رہبر منتظم کے ہیرو مانے جاتے ہیں۔

بیورغ کا ارغون شہزادی کے ساتھ معاشقہ

اب ہم ایک مرتبہ پھر چاکر خان کی طرف لوٹ آتے ہیں کہ اس نے ارغونوں کے ساتھ کسی طرح سے تعلقات قائم کئے اور لاشاریوں کو کسی طرح سے ارغونوں کی تلوار سے تہ تیغ کرایا۔اس کے علاوہ بیورغ کے ارغون بادشاہ کی شہزادی سے محبت کی تفصیل بھی تاریخ کا حصہ ہے جو آج تک بلوچوں کے کلام و گفتار کا محبوب اور پسندیدہ موضوع ہیں، چاکر کا بھانجا اور گشکوری قبیلے کا جد امجد اعلیٰ عظیم بیورغ بلوچوں کے سردار اعظم کے معتبرین امراء اور زعما میں سے تھا اس کا نام اس زمانے کی بلوچی داستانوں رزم و بزم اور امن و جنگ کے تمام واقعات میں عز و شرف کے ساتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

ایک اعلیٰ تیغ زن ہونے کی بناء پر بیورغ ہمیشہ اپنا سر ہتھیلی پر لئے پھرتا تھا اور نسل میں ایک عالی دماغ دانشور اور گوہر نایاب تھا۔وہ ایک ایسی شخصیت کا مالک تھا جو اپنے معقول اور مؤثر دلائل سے قانون کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔وہ ایک نڈر اور بے باک سرفروش اور جانباز تھا، وہ اپنے مزاج اور نظریات و خیالات سے ہم آہنگ، قابل فخر محب وطن تھا۔وہ ایک مشہور و معروف شاعر بھی تھا۔فیاضی اور سخاوت میں یکتائے روزگار تھا اپنے روابط تعلقات اور فیصلوں میں راست گو اور منصف مزاج واقع ہوا تھا۔عشق و محبت کے معاملات میں انتہائی دلیر تھا، وہ اپنے زمانے کی انتہائی خوبصورت پرکشش اور دل پذیر شخصیتوں میں سے ایک تھا۔وہ کسی سے متاثر نہ ہونے والی شخصیت دلیری اور حوصلہ مندی کے اوصاف جمیلہ میں شہرت کی وجہ سے یکتائے روزگار ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔غالباً 1495ء میں قندھار جانا پڑا جہاں وہ امیر شجاع الدین کی حسن و جمال کے پیکر بیٹی شہزادی پر فریفتہ ہوگیا اور اسے دل دے بیٹھا۔بیورغ کا یہ کمال تھا کہ وہ صنف نازک کو جلد ہی اپنا گرویدہ و شیدائی بنا کر انہیں اپنے دام محبت میں پھنسالیتا تھا۔شہزادی بھی اس کے دام محبت

میں گرفتار ہوگئی، اس نے چند روز قندھار میں قیام کیا ایک رات اس کی طفلانہ خواہش اور اضطرابی و بے قراری نے اسے اس امر پر مجبور کردیا کہ دربانوں اور پہرہ داروں کی موجودگی میں ہی ایک اس محل میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر کرے۔وہ اپنی خواہش کی تکمیل میں کامیاب ہوگیا اور سنہری بستر پر محو استراحت شہزادی سے ملاقات کی اور سات یوم اس کے ساتھ خفیہ طور پر ملاقاتوں اور مجلسوں میں گزارے۔ایک رات ان گنت خطرات مول لے کر شہزادی کو بلند و بالا ایوان سے باہر نکالا اور اسے اپنے ساتھ پشت زین پر بٹھا کر اپنی بہترین نسل کی گھوڑی موسومہ کو ایڑ لگائی۔تیز رفتاری کے ساتھ رات بھر وادیوں اور ندیوں کو پھلانگتا ہوا اگلی صبح سورج نکلتے ہی کوہِ ہٹہ کے جنوب مشرق میں دشت کے میدان پہنچ گیا۔

مغل شہزادی نے بلوچ سرزمین پر پہنچ کر آرام و سکون کا سانس لیا۔ڈھاڈر پہنچنے پر بیورغ نے اپنی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چاکر خان کے کٹر دشمن لاشاری سردار گوہرام خان کے ہاں پناہ لینے کا فیصلہ کیا تاکہ اسے اس کی مدد اور تعاون حاصل ہوسکے اور رند ویسے ہی اس کے حامی تھے، وہ گنداواہ پہنچا اور وہاں سے میر گوہرام کے ہاں گاجان چلا گیا۔لاشاری سردار نے غیر متوقع طور پر بیورغ کو دیکھ کر حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات کے عالم میں ایک بلوچ سردار کی روایتی فراخدلی اور رواداری کے شایان شان خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔معزز مہمان کو خوش آمدید کہتے ہوئے یوں مخاطب ہوا ''اے میر! آؤ آپ کی محبوبہ کو پورے تحفظ اور سلامتی کے ساتھ یہاں قیام کرنے کے لئے میں خوش آمدید کہتا ہوں''۔بیورغ نے لاشاری سردار کو اپنی کہانی سنائی اور اس گرامی قدر اور معزز میزبان کے ہاں سات روز تک قیام کیا مگر پھر بھی اس کا نمک نہیں چکھا اور اپنی جیب سے رقم دے کر کھانا منگواتا رہا۔مغل شہزادی نے اس کی وجہ دریافت کی تو بیورغ نے جواب دیا رند اور لاشاری ایک دوسرے کے جانی دشمن ہے، ان کے درمیان متعدد لڑائیاں ہو چکی ہیں اور آئندہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ جنگ ہونے کا

امکان ہے۔ اگر آج میں اس کا نمک چکھوں تو لاشاریوں کے خلاف کبھی بھی ہتھیار نہیں اٹھا سکوں گا اس لئے میں نے ان کے نمک سے اعتراض کیا۔ شہزادی اس مردِ جلیل و دلیر کے کردار و اصول پر ششدر رہ گئی۔ گوہرام نے صورتحال کی طوفانی نزاکت کو پوری طرح محسوس کیا چنانچہ اس نے ایک ایلچی اس پیغام کے ساتھ چاکر کے پاس روانہ کردیا۔ ''حکمران چاکر سے کہہ دو کہ ایک سردار کا یہ مشغلہ اور کام نہیں کہ وہ کھیل میں وقت صرف کرے، بیورغ ایک بھاری بوجھ اٹھالیا ہے، وہ بادشاہ کی متاع عزت لوٹ کر اپنے ساتھ لایا ہے''۔

بیورغ جو بلوچی خزانے کا درِ نایاب اور گوہر یکتا تھا اس کو بچانے کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی ہیچ تھی۔ چاکر کی محبت نے جوش مارا اور پوری قوت و طاقت کو داؤ پر لگانے کے لئے کمربستہ ہوگیا۔ اس نے اور لاشاری سردار نے پوری نسل کو مصائب و آلام میں جھونکنے کا عزم صمیم کرلیا۔ دونوں نے ارغون افواج کا مقابلہ کرنے کی خاطر اپنے جیالے جانبازوں کو مسلح کرکے پہلے سے تیاری کرلی۔

امیر ذنون بیگ انتہائی سرعت کے ساتھ پانچ روز تک بیورغ کے سراغ کو لیتا ہوا ایک ناقابل تسخیر اور طاقت ور مغل لشکر جرار کے ساتھ سبی کے قلعے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ ایک بہادر حوصلہ مند اور صاحب بصیرت سے کسی صورت میں بھی عقل و دانش اور انصاف کے تقاضوں کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دور اندیشی اور دانشمندری کے زریں اصولوں نے بیورغ کو اپنے سنگین جرم کا خود کوئی حل تلاش کرنے پر مجبور کردیا۔ اس نے صورت حال کا بنظر غائر جائزہ لیا اور اپنی نسل کو اپنی جان سے زیادہ تصور کرکے اسے اپنی ذات پر ترجیح دی۔ اس نے وقت ضائع نہیں کیا مبادا کہ وقت اسے ضائع کردے۔ اس کا مقصد جلد فیصلہ کرنے کا متقاضی تھا۔

اس نے ہمت و حوصلہ سے کام لیتے ہوئے رات کی تاریکی میں کسی کو کچھ بتائے بغیر

اپنی شمشیر کو ہاتھ میں لیا، وہ خاموشی سے مغلوں کے ڈیرے میں داخل ہوگیا اور پہرے داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس خیمے میں گھس گیا جس میں میر ذنون اپنے طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد محوِ خواب تھا۔ وہ اچانک نیند سے بیدار ہوگیا اور ایک اجنبی کو خون آلود شمشیر برہنہ کے ساتھ موجود پاکر اس پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ اس نے خوف زدگی کے عالم میں حیرت سے دریافت کیا، ''تم کون ہو؟'' اس نے جواباً کہا میں بیورغ ہوں۔ خوش قسمتی سے پیدائشی سردار ہوں، سردار میر چاکر کے ساتھ خون کا رشتہ رکھتا ہوں۔ ذنون نے نفرت بھرے انداز میں کہا ''تمہیں یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی'' بیورغ نے جواب دیا میں یہ جرات کرکے آیا ہوں کہ آپ کے ضمیر، رواداری، بردباری اور فہم کی آزمائش کروں۔ میں اپنے گناہ اور مکروہ جرم کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہوں جس نے میرے ماضی کو داغدار بنالیا ہے۔ اپنی غلطی کی تلافی کی خاطر حاضر ہوں چاہو تو ہاں کردو ورنہ اپنے سکون قلب کی خاطر میری جان حاضر ہے، اور اس کے بعد پھر اپنی تلوار پیش کرکے گردن جھکادی۔ بیورغ کی اس ادا نے ذنون کے آتش انتقام کو ٹھنڈا کردیا اور اس کی راست گوئی اور اس بے مثال بہادری اور جرات نے اسے متاثر کیا۔ صبح ہوتے ہی ذنون نے اپنی بیٹی بیورغ سے بیاہ دی اور ایک تیز رفتار گھوڑی دے کر اسے رخصت کیا۔

لاشاریوں کے ساتھ آخری جنگ

نلی کی جنگ کے بعد چاکر کی لاشاریوں کے ساتھ محاذ آرائی دائمی طور پر جاری رہی۔ وہ اپنی شکست کے ذمہ داروں کو عبرتناک سبق دے کر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ اس کے انتقام گیری کا تقاضا تھا کہ گوہرام خان کو اس کے کئے کی سخت سزا دیئے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے اور اپنی جرات مندی اور ہیبت کی دھاک بٹھانے کی خاطر اسے انتقام لینے کا ایک کامیاب حربہ استعمال کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس نے اپنے کٹر دشمن گوہرام کو عبرتناک سبق سکھانے کے لئے ہمسایہ فرمانرواؤں سے بیرون تعاون و کمک حاصل کرنے کا عزم کیا۔ چنانچہ اس کی بصیرت افروز نظر انتخاب خراسان کے حاکم سلطان حسین مرزا پر پڑی جس کی طاقت وقوت کا اسے بخوبی علم تھا اور اس کے اخلاص وایثار اور احسان پر کامل اعتماد تھا۔

رِندوں کے سردار نے بیورغ کو ساتھ لے کر تجربہ کار رِند جانثاروں کے جلو میں 1505ء میں عزم واستقلال کے ساتھ خراسان کی جانب اپنے سفر کا آغاز کیا۔ راستے میں کبھی کبھی ایسے مواقع بھی آئے کہ سردار چاکر کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر شکار پر ہی انحصار کرنا پڑا۔ اپنی روانگی کی جگہ سے تین ہفتوں کے سفر کے بعد وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور ہرات کے مقام پر شاہ ہرات سے ملاقات کی۔ سلطان نے سردار چاکر کا شاہانہ طریقے سے عزت وتکریم سے استقبال کیا۔ میر چاکر نے اپنے مقصد کو ٹھوس اور معقول دلائل سے مؤثر طور پر درست اور منصفانہ ثابت کیا لیکن اسے کوئی حوصلہ افزا مثبت جواب نہ ملا۔ سلطان کی والدہ نے بھی جو اپنی پاکبازی اور شرافت کی وجہ سے بے مثل تھی اپنے بیٹے کو اس امر پر راضی کیا کہ وہ بلوچوں کے سردار کے ساتھ تعاون کرے جو بڑی توقعات لے کر اس کے دربار میں آیا ہے۔ چاکر نے اپنے بیان کے

مطابق اس کی بہادری اور صداقت پرکھنے کی خاطر سلطان کی طرف سے عائد کردہ اور مجوزہ آزمائشوں اور امتحانات پر پورا اترنے کے بعد وہ اس کی کمک وتعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ سلطان حسین مرزا نے اس وقت کے حاکم قندھار شجاع الدین ذنون کو حکم صادر کیا کہ وہ لاشاریوں کے خلاف مہم کی قیادت کرے۔ اپنے مقصد اور مشن میں کامیابی کے بعد چاکر نے شاہی میزبان سے اجازت طلب کی اور اسی پرانے راستے کو اختیار کرتے ہوئے واپس اپنے وطن چلا آیا۔ چند ہفتوں کے اندر اندر ذنون درّہ بولان سے گزر کر اپنی لامحدود افواج کے ساتھ سبی کے میدان میں داخل ہوگیا، سردار چاکر نے قلعہ کے قریب اس کا والہانہ استقبال کیا۔ گوہرام خان کو چاکر خان کی اعلیٰ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں اور سازشوں کا بخوبی علم تھا نیز ارغون سردار کے پہنچنے کا اسے علم ہوگیا۔ اس کی واحد حکمت عملی ذنون کو لالچ دے کر اسے رام کرنا تھا۔ اس نے بلا تعامل ایسا ہی کیا، ذنون نے ایک ہفتہ قیام کے بعد اپنے حاکم اعلیٰ اور چاکر دونوں کو فریب دے کر اپنی فوجوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن یہاں پر بیورغ کی دور اندیشی فوری طور پر کام آئی، وہ فوری طور ایک مؤثر چال چلا۔ جس سے ارغون سردار کے حرص وطمع اور فریب کاری کو بے رحمی کے ساتھ ناکام بنا دیا۔ مغل لشکر کی روانگی سے ایک روز قبل اس نے اپنے چند معتبر رِند سرفروشوں کو درّہ بولان کے قریب کسی چٹان پر گھات میں بٹھا دیا اور ان کو ہدایت کردی کہ ذنون کے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ بیورغ خود فوج کی ہمراہی میں چلا گیا اور درّہ بولان کے دہانے سے کچھ دور وہ ذنون کے بھائی کو لشکر سے الگ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب فوج درّہ بولان میں داخل ہوگئی بیورغ اور ذنون کا بھائی پیچھے رہ گئے تو رِند ذنون کے بھائی پر ٹوٹ پڑے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق بیورغ کو کچھ معمولی زخم پہنچا کر غائب ہوگئے۔ بیورغ زخمی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر تک پہنچا اور ذنون کو غلط بتایا کہ کچھ لاشاریوں نے گھات لگا کر ان پر اچانک حملہ بول دیا

82

اوراس کے بھائی کوقتل کر کے اسے زخمی کردیا ہے۔ ذنون نے طیش میں آ کرنہایت جوش و خروش کے ساتھ فوج کوفوری حکم دیا کہ وہ کچھی کے میدانوں پر حملہ کردیں، پوری فوج ایک ناگہانی سیلاب کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ ڈھاڈر وشوران کے راستے لاشاریوں کے مراکز گنداواہ اور گاجان پر آفت الٰہی بن کر ٹوٹ پڑی۔ پورے علاقے کوتاخت وتاراج کر کے تباہ و برباد کرڈالا۔ تمام دن بلاتمیز عمروجنس انتہائی دہشت و بربریت کے ساتھ انسانوں کاقتل عام جاری رہا۔ گاجان کونذرآتش کر کے خاکستر کردیا گیا۔ نواحی دیہاتوں کا بھی یہی حشر کیا گیا۔ انسانی جانوں کا اس قدر بے دردی سے ضیاع ہوا کہ جولوگ مغل فوج کی بربریت اور عتاب سے اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوگئے وہ بعدازاں ''چک'' لاشاریوں کے لقب سے مشہور ہوئے جس کے معنی وہ اطفال ہیں جوارغونوں کی تلواروں سے زندہ بچ گئے۔ یہی اصطلاح آج بھی کچھ لاشاری اپنے قبیلے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ جن کا خونی رشتہ چک لاشاری سے قائم ہے۔ ذنون انسانی خون سے ہولی کھیل کراپنے غم وغصہ کی آگ کوٹھنڈا کر کے واپس قندھار چلا گیا۔

83

رِندوں کی سبی سے روانگی

سبی اور کچھی کے زرخیز اور گرم میدان سازشوں کا گہوارہ ثابت ہوکر افراتفری اور مصائب وآلام کی اصلی تصویر پیش کرنے لگے۔ نااتفاقی، حسد، ضد اور بدبختی کے سائے ہر طرف لہرانے لگے اور ان سب عوامل نے مجموعی طور پر بلوچ حاکمیت اور فرمانروائی کے شیرازے کو درہم برہم کر کے اس کی ایسی صورت بنادی جیسا کہ ایک جسم بغیر سر کے ہو۔ بے شمار مصائب وآلام کے علاوہ رِندوں کی پستی و ذلت اور لاشاریوں کی تباہی نے چاکر کو بار بار جھنجھوڑا۔ ایک لائق فائق اور خداداد صلاحیتوں کا حامل قائد ہونے کی حیثیت سے چاکر کو رِندوں کے اندر وباء کی مانند برائیوں کے پھیلنے کا احساس تھا لیکن اس کے سدباب کے لئے خون کی ندیاں بہانے کی کیا ضرورت تھی، جس کے لئے نہ تو وہ تیار تھے نہ راضی۔ لہٰذا اس نے اس امر کو ترجیح دی کہ وہ دہشت و بربریت کا روپ اختیار نہ کرے۔ رِند قلمروں کی کمزوری کے بعد قبائل کے درمیان آویزش اور دشمنی نے جنم لیا۔ رِندوں کے احکامات جن کو سب تسلیم کرتے تھے اب مختلف بلوچ قبائل اور امراء کی مرضی اور منشاء کے تابع تھی۔ خانہ جنگی کبھی کسی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی، کبھی دوسرے کو، کبھی ایک کی تہہ زمین پر مختصر عرصے کے لئے کوئی اپنا قبضہ جماتا کبھی دوسرے۔ ان تمام حوادث اور واقعات نے چاکر کو اس قدر پریشان کیا کہ اب وہ سبی میں رہ نہیں سکتا۔ نیز وہ ایک نئی سرزمین پر ازسرنو قسمت آزمائی کر کے نئی سطح ونصرت کے خواہاں تھا۔ آخر کار سردار چاکر نے لاشاریوں کی تباہی کے چھ (6) سال بعد 1512ء کے آغاز میں جنگ وجدل سے بیزار ہوکر پرامن زندگی گزارنے کی خاطر پنجاب کا رخ کرلیا۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ پنجاب میں اس کی قسمت تو جاگ جائے گی مگر اس کا پیمانہ عمر لبریز ہوجائے گا۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ اپنے تمام خزائن کو اونٹوں پر لاد کر سبی سے روانہ ہوا اور ایک خوفناک درّہ (جوازاں ''چاکر تنگ'' یعنی درّہ چاکر کے نام

سے موسوم ومشہور ہوا) اسی کے راستے داخل ہوا۔ وہ ایک ایسا اور پر خطر درّہ تھا جس میں سے انسان اور جانور گھٹنوں کے بل رینگ رینگ کر گزر سکتے تھے، اس درّہ کو عبور کرنے کے بعد اس نے وہاں پڑاؤ کیا۔ ایک صبح وہ پہاڑوں کی بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور سبی کا آخری نظارہ کر کے اس شہر کو الوداع کہا اور وہ عالم تنہائی میں دل گداز اور پر سوز انداز میں نغمہ سرائی کرتے ہوئے یوں گویا۔ ''اے سبی الوداع تمہاری تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ مرغوب عزیز اور پسند تھیں، تمہارے خربوزے، موٹی چکی والے مینڈھے اور چٹانوں کی ٹھنڈی چھاؤں''۔ گوہرام ہمیشہ کے لئے گنداواہ سے ہاتھ دھو بیٹھا، بعد میں میر چاکر رِند منزل بہ منزل طے کرتا ڈیرہ جات کے علاقوں سے گزرتا ہوا ملتان پہنچا اور پھر ملتان سے ہمیشہ کے لئے اوکاڑہ کے نزدیک ست گھرہ کے مقام پر جا کر آباد ہوا جہاں پر چاکر خان کا مقبرہ آج تک بلوچوں کی عظمت رفتہ کا منہ بولتا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

بلوچوں کے لئے لمحۂ فکر اور ان کا مستقبل

اس وقت بلوچ قوم میں جو سب سے بڑی قباحت پائی جاتی ہے وہ ان کی آپس میں خانہ جنگی اور ایک دوسرے سے دشمنی کی فضاء ہے جو اس قوم کے لئے ناسور کی طرح ہے۔ باہمی نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و بغض ایسی بیماریاں ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کی بڑی بڑی نابالغہ روزگار شخصیت اور بڑے بڑے شہنشاہوں کے کردار کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

ہندوستان کی سلطنت کے مالک مغل خاندان کو بھی اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد یہ بیماریاں اپنا گرفت میں لے کر اس خاندان کے باہمی اتفاق کو پاش پاش کر دیا تھا۔ تاریخ کے حوالوں سے دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد شاہ رنگیلا ایران کے نادر شاہ کے سامنے کیسے ذلیل و رسوا ہوا کہ تیمور و بابر کے تخت کا وارث ایران کے ایک بکریاں چرانے والے ایک سپاہی کے پاؤں میں پڑا ہوا تھا اور اس سے اپنی بچی کچھی سلطنت کی بھیک مانگ کر اپنی عزت بچائی تھی۔ اس واقعہ کے پیچھے اگر ہم غور سے دیکھیں اور تاریخ کی ورق گردانی کریں تو اصل بات یہیں نا اتفاقی اور حسد و بغض نظر آئے گی کیونکہ عالمگیر کی وفات کے بعد تمام مغل شہزادے اندرونی طور پر ایک دوسرے سے نفرت اور حسد کرنے لگے تھے جس کا انجام یقیناً تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ بلوچوں کو چاہئے کہ وہ تاریخ کے ان واقعات سے سبق سیکھ کر اپنے اندر محبت، ایثار اور آپس میں باہمی اتحاد کا مظاہرہ کریں کیونکہ اب انہی باتوں ہی میں ان کی بقاء اور ان کی عزت ہے۔

دوسری بات جو ذرا وضاحت سے بیان کروں گا وہ بلوچوں کی غیرت کے متعلق ہے اور وہ غیرت کہ جس کی خاطر ایک بلوچ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور اگر کسی بلوچ میں غیرت نہ ہو تو وہ پھر اصل بلوچ ہرگز شمار نہیں ہوگا۔ اسلام میں غیرت پر بڑا زور دیا گیا

ہے۔ نبی آخرالزماں ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تین آدمیوں کو اپنے نور سے محروم رکھیں گے جن میں پہلا شخص وہ ہوگا جو دیوث یعنی بے غیرت، دوسرا وہ شخص ہوگا جو شادی شدہ ہرنے کے باوجود بدکاری کرے اور تیسرا شخص اپنی لنگی جب باندے تو وہ زمین تک لٹکتی رہے کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

اس حدیث پاک سے قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام میں غیرت مندی کے بارے میں کتنی بڑی تنبیہ کی گئی ہے اور یہی غیرت تو ہے جو بلوچوں سے آج صدیاں گزرنے کے باجود کوئی نہیں چھین سکا۔ اسی غیرت کے حوالے سے برصغیر کے مسلمانوں کے مرشد علامہ اقبالؒ اپنی مشہور زمانہ نظم ''بڈھے بلوچ کی نصیحت'' میں بلوچوں کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں۔

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سائل رواں تو چل
وادی یہ ہماری ہے تو وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ دو میں
پہناتی ہیں درویش کو تاجِ سردارا

غیرت ہر مسلمان کا اولین زیور ہے جس کو وہ پہن کر صحیح معنوں میں مسلمان شمار ہوتا ہے۔ یہی غیرت تو تھی کہ جس کے لئے شیر میسور ٹیپو سلطان نے تاجِ برطانیہ سے ٹکر لی تھی لیکن غیرت میں آکر آخری دم تک انگریز سے لڑتا رہا اور سرخرو ہوکر شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوکر جنت میں حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے حوضِ کوثر پر حاضر ہوگیا اور یہی غیرت تو تھی کہ جس میں لاہور کے بڑھئی مرید حسین کو غازی علم دین شہید کے مرتبہ ملا اور ان سب سے بڑھ کر یہی غیرت تو تھی کہ جس نے امام کربلا سیدنا امام حسینؓ کو یزید کے سامنے نہ جھکنے دیا اور

سیدنا امام حسینؓ کو قیامت تک کے لئے بلند و بالا کردیا۔ کسی شاعر نے اس واقعہ غیرت کا تذکرہ کیسے خوبصورت اشعار میں یوں کیا ہے

حالات سے پوچھ اے معدف کے مسافر
چلتے نظر آئے رکتے نہیں دیکھا
خوددار قبیلوں کے سر سرِ مقتل
کٹتے نظر آئے جھکتے نہیں دیکھا

اور اسی میدان کربلا میں بلوچوں کے مجاہدین کے میدان اول اور صحابی رسول ﷺ حضرت حبیب بن مزاہبؓ کو غیرت مندی نے اسّی (80) سال کی عمر میں شیر جیسی دلیری اور چیتے جیسی پھرتی عطا کی تھی کہ جنہوں نے نواسۂ رسول ﷺ کے لشکر کی طرف سے لڑتے ہوئے کئی یزیدی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بلوچوں کی غیرت نے اس دن بھی ان کا خوب ساتھ دیا تھا کہ جب بدرالدین بادشاہ نے ان کو اپنی عورتیں اس کے دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے اپنے لڑکوں کو زنانہ لباس پہنا کر بھیجنا تو گوارا کیا اور خود بدرالدین کے علاقہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔

اب جہاں غیرت کی بات نکل چکی ہے تو یہاں پر اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بلوچوں سے عرض کرتا چلوں کہ ان کے اندر صدیوں سے ایک وباء پھیلی ہوئی ہے جس کی سرائیکی میں کالا کالی اور اردو میں کاروکاری کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اسلامی شریعت میں اس رسم کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ ناقابل اعتراض حالت میں دیکھا ہو اور پھر اسے قتل کردے یا فروخت کردے بلکہ اسلام تو کسی بھی عورت یا مرد کو بدکاری کے الزام میں چار معتبر گواہوں کی شہادت کے بعد یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اگر مرد اور عورت شادی شدہ تھے اور دونوں ایک

دوسرے کے ساتھ منہ کالا کر رہے تھے تو انہیں سنگسار کر دیا جائے لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی غلط بات سن کر غیرت میں آکر اپنی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو قتل کردے۔ایسی غیرت کو اسلام میں کہیں بھی گنجائش نہیں ملتی اور نہ ہی یہ نقطۂ نظر سے غیرت شمار ہوگی بلکہ اسلام کے نقطۂ نظر سے تو یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی دوسرے کے ساتھ بری حالت میں دیکھے تو اسے طلاق دے سکتا ہے اور بس۔

بلوچوں میں کاروکاری کی سزا صدیوں سے رائج ہے اور اس کے بارے میں وہ کسی بھی اسلامی قانون کی پاسداری نہیں کرتے بلکہ اپنی بلوچی روایات کے سامنے سر جھکا کر انتہائی بے دردی کے ساتھ اس مسئلہ پر قتل و غارت کرتے ہیں کہ جو شرعاً ناجائز بھی ہے اور قتل بھی شمار ہوتا ہے۔قتل کے بارے میں جناب رسالت مآب ﷺ نے بڑی سخت توعید سنائی ہے۔

بلوچوں کو چاہئے کہ وہ اپنی بلوچی روایات کے فرسودہ نظام کو چھوڑ کر مستقبل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کریں کیونکہ یہی ان کے لئے آخرت کا سب سے بڑا اجر اور انعام ہے۔

بلوچ مستقبل کے حوالے سے ایک اور اہم بات اسلامی و جدید دنیاوی تعلیم کے حوالے سے یہ بھی ہے کہ صدیوں سے لے کر اب تک بلوچ اسلامی تعلیم اور جدید دنیاوی تعلیم سے بہت دور رہے ہیں جو کہ بڑے دکھ اور درد کی بات ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے اصل بانی عربوں کے ساتھ رہے ہوں اور ان کے تمام رسم و رواج بھی عربوں سے ملتے جلتے ہوں لیکن وہ اسلامی تعلیم سے دور رہے ہوں۔وہ یہ ہے کہ بلوچوں کے شروع ہی سے جنگ و جدل میں مشغول رہے اور انھوں نے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جس سے وہ آج تک محروم چلے آرہے ہیں لیکن اب وقت کا تقاضا ہے کہ بلوچوں کو جتنا زیادہ ہوسکے وہ اسلامی و جدید دنیاوی تعلیم حاصل کرکے اپنے آپ کو دنیا میں ایک مقام

عطا کریں جو کہ ان کے اپنے بس میں ہے کیونکہ بلوچوں کی بقاء ایک دوسرے سے جنگ کرنے میں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چرانے میں نہیں بلکہ آپس میں باہمی اتفاق محبت اسلامی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے میں ہے۔اس کے لئے ہر بلوچ قبیلے کا سردار بہت بڑا حق ادا کرسکتا ہے۔کیونکہ وہ سردار جو کبھی اپنے قبیلے کو جاہل اور اَن پڑھ رکھ کر خوش ہوتا تھا اور انہیں اپنا غلام تصور کرتا تھا لیکن آج ایسے سردار کو اپنی روش بدلنا ہوگی اور اسے ہر بلوچ بچے کے لئے تعلیم کی قربانی دینا پڑے گی۔اب یہی تو بیداری کا وقت ہے۔دنیا چاند پر پہنچ چکی ہے لیکن بلوچ وہاں صدیوں پہلے فرسودہ نظام کے اندر جکڑے ہوئے ہیں۔یہاں پر میں اس تلخ حقیقت کو بھی بیان کروں گا کہ اگر بلوچوں کے سردار شروع ہی سے ان میں تعلیم کی نعمت کو بیدار کرتے تو آج ستر فیصد بلوچ جاہل اور اَن پڑھ شمار نہ ہوتے۔ان سرداروں نے تو اپنی موروثی سرداری کو قائم رکھا لیکن اپنی قوم کو کہیں کا نہ رکھا۔

آج بلوچوں کو ان سرداروں اور وڈیروں کے چنگل سے آزاد ہونا ہوگا کیونکہ اب اسی میں ہی ان کی بقاء پوشیدہ ہے۔یہ آزادی اب اگر ہمارے کام نہ آئی تو کم از کم ہماری نسل نو کے لئے تو بہار نو ثابت ہوسکتی ہے۔آج جن بلوچوں کو نمازِ جنازہ اور کلمہ تک بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا، تعلیم کے آنے سے وہ کم از کم ان اہم ترین مسائل سے تو آگاہ ہوجائیں گے۔بلوچوں کو کلمہ نہ آنے کا تجربہ میرے اپنے ساتھ اس وقت پیش آیا جب میں زیر نظر کتاب کی تحقیق کے لئے کوہ سلیمان کے دشوار گزار راستہ کے اندر اونٹ اور گھوڑے پر سوار ہوکر گیا تو وہاں پر جب میں نے بلوچوں کی حالت زار اور دین اسلام کے بارے میں ان کے علم کو جاننا چاہا تو ان کو کلمہ تک بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا۔اب یہ ذمہ داری بلوچوں کے علاوہ اصل میں بلوچ سرداروں اور پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ان پہاڑوں کا رخ کرکے دین کی تعلیم سے بلوچوں کو آگہی دیں اور ان سرداروں پر تو بہت زیادہ کہ جن کے دم سے ان کی سرداری کی پگڑی اونچی ہے۔ایک مسلمان اور بلوچ ہونے کے ناطے میں شرم

محسوس کر رہا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو کلمہ تک بھی صحیح نہیں سکھا سکتے۔ اب ہم سب کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان سادہ لوح بلوچوں میں اللہ کے دین کا جھنڈا لے کر ایسے علاقوں کا رخ کریں کہ جہاں اکثریت بلوچوں کی ابھی تک دین کے تمام بڑے اصولوں سے بھی ناواقف ہے۔

میں ان لوگوں کی اس بات کو سو فیصد مسترد کرتا ہوں کہ جو لوگ بلوچوں کو سیکولر ذہن کا مالک کہتے ہیں یہ لوگ شاید بلوچ نفسیات سے صحیح معنوں میں واقف نہیں ان کے دماغوں پر طاغوتی قوتوں کے ایجنٹوں نے سیکولرازم کا جادو کیا ہوا ہے اور یہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم کو سمجھ ہی نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام نے ایسے ہی لوگوں کو اندھے، بہرے اور گونگے سے تشبیہ دیا ہے اور ایسے لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہیں جو بلوچوں جیسے سادہ لوح لوگوں کو سیکولر کہتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ جن لوگوں میں آج تک اسلام کا صحیح معنوں میں کوئی پیغام ہی نہ پہنچا ہو اور جن کو اسلامی تعلیم بھی نہ دی گئی ہو وہ کس طرح سے اسلام سے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہوں گے۔ ایسے علاقوں میں تبلیغی افراد کو بھیجا جائے کہ جو ان سادہ لوح بلوچوں میں اسلام کے بنیادی مسائل کو اجاگر کر کے ان کے دلوں میں اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کو زندہ کر دیں۔ اسلام کے مبلغین ان پہاڑوں میں جا کر تو دیکھیں کہ وہاں پر انہیں ایک وعظ کرنے سے ہزاروں بلوچ مجاہد جہاد کے لئے لبیک کہتے ہوئے ملیں گے۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے آباؤ اجداد نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں قادسیہ اور یرموک کی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ یہ تو اب ہماری اپنی سستی ہے کہ ان پہاڑوں میں بسنے والے قبائلی لوگوں پر توجہ نہیں دیتے۔ ہم ایک دفعہ ان سے مل کر تو دیکھیں کہ جب ان کے سامنے ہم اسلام اور جہاد کی بات کریں گے تو ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں رکیں گے۔

پھر آج کا نام نہاد سیکولر طاغوتی قوتوں کا ایجنٹ کس طرح سے بلوچوں کو سیکولر کہہ

سکتا ہے اگر اس میں جرات ہے تو سامنے آئے لیکن وہ یہ بات کہہ تو سکتا ہے لیکن نہ تو وہ اس مسئلہ پر کبھی سامنے آئے گا اور نہ اسے ثابت کر سکے گا۔

ہزار دام سے نکلا ہوں میں ایک جنبش سے
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بلوچوں سے ایک اور گزارش یہ کہ جہاں وہ اپنی سچی اور شجاعت سے لبریز داستانوں سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کے قبیلوں سے جنگ و جدل کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ کبھی نہ ختم ہونے والی اپنی جھوٹی اَنا کی خاطر ان جنگوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے اپنی طاقت اور اپنے اسلحہ کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد شروع کر دینا چاہئے اور جتنا جلدی ہو سکے وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ایسے علاقوں کا رخ کریں کہ جہاں پر کفر نے مسلمانوں پر غلبہ پالیا ہے۔ ''اے بہادر بلوچ جوانو! اے بدر و حنین و قادسیہ کی جنگوں میں حصہ لینے والے بڑے بڑے مجاہد بہادروں کی شجاعت کے وارثو! اب یہی وقت ہے کہ تمہیں تمہاری مائیں، تمہاری بہنیں اپنی عزت کی حفاظت کے لئے بلا رہی ہیں۔ اب تم آپس کی جنگ و جدل کو چھوڑ کر ان بستیوں کا رخ کر لو کہ جہاں پر اللہ کے دین کی بے حرمتی ہو رہی ہے، خدا کے لئے آگے بڑھو اور ایک بار پھر قوتِ حیدری کو اپناتے ہوئے کفر کے ایوانوں پر ٹوٹ پڑو اور ان کی توپوں کو اللہ اکبر کے نعروں کی گونج سے خاموش کر دو۔ ایک زمانہ گواہ ہے کہ بلوچ جس جگہ ڈٹ گیا اور جس ضد پر جم گیا تو پھر موت ہی اس کے مشن سے تو جدا کر سکتی ہے وگرنہ دوسری ایسی کوئی طاقت نہیں جو اسے اس کے مشن سے ہٹا سکے۔

تو اب وقت ہے کہ بلوچ آپس کی بوسیدہ رسمیں اور کبھی نہ ختم ہونے والی جنگوں کو چھوڑ کر آپس میں بھائی بھائی بن کر ہمیشہ کے لئے اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے

92
پکڑتے ہوئے، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور آپس میں یکجا ہوکر
میدان جہاد کا رخ کرلیں۔ اور اس کو اپنا مشن سمجھ لیں۔
مختلف بلوچ قبائل کا تعارف

1☆ رند.......

رند بلوچوں کا مؤثر اور شمار کے لحاظ سے بڑا قبیلہ ہے جس کا ذکر (پڑ۔رند) کے نام سے بلوچوں کی قدیم شاعری میں آیا ہے۔

بلوچوں کی روایتوں کے مطابق رند اپنی نسل بلوچوں کے افسانوی رہبر میر جلال خان کے اکلوتے بیٹے رند سے شروع کرتے ہیں جس کی سربراہی میں بلوچ گیارہویں صدی عیسوی کے شروع میں مکران آئے۔ رند تقریباً پانچ سو سال مکران میں رہے اور بعد میں پھر سولہویں صدی کے وسط میں ان کا زیادہ بڑا حصہ قلات اور کچھ گنداواہ کو کوچ کر گیا۔

بلوچوں میں سے رند اس پہلے گروہ میں سے ہے جو زمین پر بس گیا اور جس نے کاشتکاری کو بنیادی پیشے کی حیثیت سے اختیار کیا، ایسا لگتا ہے کہ خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کرنے میں گروہی خصوصیات موجود تھیں کیونکہ کچھ گنداواہ کے میدان کی زرخیز زمین پر ان کے مابین پہلی جنگ پندرہویں صدی کے اوائل تک جاری رہی۔ اس جنگ میں جس پر بہت زیادہ شاعرہ اور نغمے کہے گئے لاشاری فتح یاب ہوئے اور اصل رندوں کا زیادہ حصہ میر چاکر کی سرکردگی میں جنوب پنجاب کے علاقوں کو کوچ کر گیا۔

رند بہت زیادہ متفرق انداز میں آباد ہیں۔ ان کی رہائش کے علاقے مغربی بلوچستان سے شروع ہو کر (جہاں وہ رندانی کے نام سے مشہور ہیں) پھر مشرقی بلوچستان کے سارے حصوں میں جنوبی پنجاب اور سندھ میں (حتیٰ کہ یہاں بلوچوں کے دیگر قبائل تناسب کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں) دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ کہنا مناسب ہوگا کہ خصوصاً ان رندوں نے جو مکران (مغربی رند) اور کچھ گنداواہ کے علاقے میں آباد ہیں اپنا پرانا قبیلوی نام برقرار رکھا، رندوں کے دیگر فرقوں نے جو اصلی قبیلے سے علیحدہ ہوئے نئے قبیلوں کے اتحاد یئے بنائے۔ مثلاً بزدار، گشکوری، جکھاتی،

قیصرانی، مزاری، مستوئی، رخشانی وغیرہ۔ رِندوں کے بعض فرقے بلوچوں کے دوسرے قبائل مثلاً بگٹی، ڈومبکی، لُنڈ، لغاری، کھوسہ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ جو ماضی میں ان قبیلوں کی ترکیب میں شامل ہوئے اور خود کو انہی قبیلوں کے نئے ناموں سے پکارتے ہیں۔

اصلی رِند کچ گنداواہ، سبی اور سراوان کے علاقوں میں آباد ہیں اس کے چھوٹے گروپ لورالائی اور کوئٹہ پشین اور بولان میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ رِندوں کے سات قبیلوں فرقے ہیں۔ چانڈیہ، غلام بولک، جمالی، جتوئی، کھوسہ، راہیجہ اور سھریانی جو خود [illegible] گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ (قبیلوی فرقہ میں سے چھ گروپوں تک)۔

2☆لاشاری......

میر جلال خان کے دوسرے بیٹے لاشار خان کی اولاد لاشاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاشاری شروع ہی سے فطرتاً جنگجو اور بلوچی روایات کے امین رہے ہیں۔ جب بلوچوں نے سرزمین بلوچستان پر قدم رکھا تھا تو رِند اور لاشار جو اس وقت بلوچوں کے ہر دو مرکزی اور بڑے قبیلے شمار ہوتے تھے۔ یہ لوگ میر چاکر رِند اور میر گوہرام لاشاری کی قیادت میں آگے بڑھتے ہوئے کیچ مکران کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے سبی، گنداواہ، کچھی، گاجان کے علاقوں کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ گنداواہ اور گاجان کے علاقوں سے کچھی کے علاقے تک لاشاریوں نے قبضہ کرلیا ان علاقوں میں آج تک بھی وہ آباد ہیں۔ دراصل میر چاکر رِند کے ساتھ تیس سال تک وقفہ در وقفہ رِندوں کے ساتھ ہونے والی جنگوں نے ان کا شیرازہ اور قوت کو پاش پاش کردیا۔ اگر لاشاری امن کے ساتھ آگے بڑھتا تو شاید پوری بلوچ قوم میں آج لاشاری تمن سب سے زیادہ اور طاقتور ہوتے۔

یہ بلوچوں کا ایک ایسا ممتاز اور بہادر قبیلہ ہے کہ جن کی برق انداز تلواروں کی چمک

ایک بار پھر عالمگیر حرکت کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر یہ آپس میں اتفاق کرلیں تو لیکن
افسوس کہ ماضی میں ایک شتربان حسینہ گوہر جتنی کے اونٹوں کا شکار کرنے پر ان کی طاقت
بکھر گئی۔ بلوچوں کی تلوار کہ جس نے اسلام کے ظہور کے بعد قیصر و کسریٰ جیسی طاقتوں کو سرنگو
کرکے تاریخ میں اپنا نام سنہری لفظوں سے لکھوایا لیکن افسوس کہ ''رند و لاشار'' کی جنگ میں
ان کی تلواروں نے ایک دوسرے کی گردنیں اڑا دیں۔ گاجان ایک چھوٹا سے خطہ زمین
ہے۔ اس کے شمال میں سہران کا علاقہ جنوب میں کوہ مشرق میں گنداواہ اور مغرب میں حلب
کے پہاڑ ہیں کہ جہاں سے لاشاری مکران اور دوسرے بلوچستان کے علاقوں میں آکر آباد
ہوئے۔ اس سفر کے دوران لاشاری کرمان، سیستان اور دشت لوط سے واقف ہوئے۔
مکران کے نخلستان ان کی طبیعت کے موافق آگئے وہ یہاں ایک طویل عرصہ تک رہے مگر
جنہوں نے ایران کے بادشاہ پرویز کے خزانوں کو لوٹ کر دیکھا ہو بھلا وہ روئے زمین کی
بادشاہت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ وہ قوم جو ماں کے بطن سے اپنے سردار کی قیادت میں بادشہ
بن کر نکلی تھی اور جن کے بزرگ بدر و حنین کے شہدا تھے اور جنہوں نے 36 ہزار شہر اور قلعے
بارہ برس میں، 3 ہزار شہر بارہ مہینوں میں اور 9 شہر ایک ایک دن میں اپنی تلوار کے زور اور
نیزوں کی نوک سے فتح کیے وہ مکران کے نخلستانوں میں کیسے خاموش بیٹھ سکتے ہیں، وہ آندھی
کی طرح اٹھے اور وہاں کے پہاڑوں کو خیر باد کہہ کر قلات کو فتح کیا اور نامعلوم گاجان اور
گنداواہ کی سرزمین میں کیا اثر تھا کہ وہ وہیں پر آباد ہو گئے۔ لاشاریوں کی عظمت کے آثار
آج بھی گاجان سے تین میل کے فاصلے پر موجود ہیں۔ گاجان ایک کسان کا نام تھا جس کے
نام سے یہ شہر آباد ہوا تھا۔ اس کی اولاد آج بھی یہاں موجود ہے یہ شہر لاشاریوں کی حکومت
کا صدر مقام تھا، چنانچہ میر گوہرام خان لاشاری کے زمانہ اقتدار میں سہرن، چانڈ کہ علاقہ
موجودہ سندھ کے میٹھر کو تمام علاقے گنداواہ کے ماتحت تھے۔ لیکن لاشاریوں کی رندوں کے
ساتھ تیس سالہ جنگ کے بعد جب ان کی قوت پاش پاش ہوگئی تو وہ یہاں سے نکل کر سندھ

(گجرات انڈیا) جھنگ، لاہور، اوکاڑہ اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں میں پھیل گئے۔ گوہرام خان کے فرزند رامن خان نے ٹھٹھہ پہنچ کر اپنے بھائی میر بکر اور اپنے اہل وعیل کو لے کر وہاں سے گجرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ لاشاریوں کا وزیر نندو کا گنداوا پر قبضہ رہا۔ بعد میں بہت عرصہ کے بعد جب لاشاری اور رند پنجاب کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو لاشاریوں کے ایک چھوٹے سے قبیلہ مگسی نے ان کی نمائندگی کرنا شروع کر دی۔

ڈیرہ غازی خان میں لاشاری 1872ء چمان لال، جس نے ڈیرہ غازی خان کی پہلی مرتبہ بندوبست ترتیب دی تھی اس وقت سے بہت پہلے وہ موجودہ ڈیرہ غازی خان میں بستی چورہٹہ کے نزدیک بستی سمندری لاشاری اور بنگلہ لاشاری میں آباد چلے آ رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ بستی وڈور کے ساتھ شروع ہونے والے کوہ سلیمان کے دامن میں آباد تھے۔ وہاں پر ان کی خونریز لڑائیاں مستوئیوں کے ساتھ ہوئیں جہاں پر انھوں نے کئی مرتبہ مستوئیوں کو شکست دی، اس وقت لاشاریوں کی زمینیں وڈور سے شروع ہو کر بستی چورہٹہ تک موجود تھیں۔ چورہٹہ اور کوٹ ہیبت کے ساتھ آباد ہونے کے بعد انھوں نے پھر مستوئی قبیلہ کے ساتھ جنگیں شروع کر دیں اور وہ ایک دوسرے کے مال مویشیوں کو چرا لیتے تھے۔ انگریز نے تنگ آ کر کوٹ ہیبت کے علاقہ سے موضع چورہٹہ تک درمیان کی زمینوں میں کھرا (میاں) قوم کو آباد کیا جو دونوں قبیلوں کے درمیان صلح اور بھائی چارے کی فضاء برقرار رکھنے میں کامیاب رول ادا کرتے رہے۔ اس وقت لاشاری قبیلہ کے دو نامور سپوت کامران خان لاشاری اور خوشنود اختر خان لاشاری ملکی لیول کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ڈیرہ غازی خان کے لاشاریوں نے یہاں کی تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا، بعد میں انگریزوں نے ان کی سرکشی سے تنگ آ کر 1936ء میں بنگلہ لاشاری موجودہ کوٹ ہیبت سکول کے ساتھ ایک چوکی قائم کی تھی لیکن بعد میں ایک سال کے بعد لاشاریوں نے اس چوکی کو آگ لگا دی تھی جو ختم ہو گئی۔ ڈیرہ غازی خان کے لاشاریوں

ہیں جو سب سے بڑی تکلیف دہ بات ہے وہ ان کی آپس میں آئے روز کی خانہ جنگی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور دوسرا تعلیمی فقدان ہے۔ اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیم دیں اور تعلیم ہی سے ان کی روکی ہوئی ترقی آگے بڑھے گی۔ اس وقت پورے برصغیر میں لاشاری آباد ہیں۔ اور اب ان کا زیادہ تر پیشہ کھیتی باڑی ہے یہاں کے لاشاریوں کا شجرہ میر گوہرام کی نسل کے ساتویں فرد میر ہکھیو خان لاشاری سے جا کر ملتا ہے۔ ڈیرہ غازی خان کے لاشاریوں میں اب ایک مرتبہ پھر بھائی چارہ اور محبت کی فضاء کو ہموار کرنے میں طیب خان لاشاری ایک اچھا کردار ادا کر رہے ہیں اور انہی کی کوششوں سے ان کی پہلے کی نسبت آئے دن کی لڑائیاں تقریباً ختم ہو چکی ہیں اور اب وہ یہ دینی اور دنیاوی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں کیونکہ ان دونوں باتوں میں ہی ان کی عظمت اور بقاء کا راز ہے۔

3☆دودائی......

یہ ایک زمانے میں ایک اہم قبیلہ تھا لیکن اب اس نام کے تحت جس کی وضاحت تو ہو چکی ہے نہیں ملتا۔ ان کے زیادہ اہم نمائندے ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور جھنگ کے میرانی ہیں اور گورچانی قبیلے کے اہم حصے شہیہ کانی، ہوتوانی، خلیلانی، الکانی اور درکانی پاڑے ہیں۔ یہ سب دودائی کے سلسلہ نسب سے ہیں جو سندھ کا حکمران تھا اور جس کی بعد میں نسل نے میرانیوں کے نام سے ڈیرہ غازی خان کے علاقوں پر دو سال تک حکمرانی کی تھی۔ اس وقت ڈیرہ غازی خان شہر کے اندر بلوچ تہذیب کی یادگار عمارت مقبرہ غازی خان موجود ہے جس کی عمارت ریخت وشکست کی وجہ سے گرنے کے قریب ہے لیکن محکمہ آثار قدیمہ نے ابھی تک اس عظیم الشان بلوچ تہذیب کی اکلوتی یادگار کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جو محکمہ آثار قدیمہ کی بے حسی پر ماتم کناں نظر آتی ہے۔

4☆ڈومکی یا ڈومبکی......

منظوم داستانوں میں اسے بلوچوں کا سب سے بڑا گھرانا بتایا گیا ہے۔ یہ گفتار میں سب سے بڑے ہیں اور وہ اب بھی دفتر کے مالک ہیں۔ جو سلسلہ انساب کے ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی اعلیٰ نسبی کے سب قائل ہیں اور ان کی مستقل قیام گاہ کچھی کے علاقہ لہڑی میں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نام کا ماخذ فارس کا ایک دریا ڈومبک ہے۔

5☆گبول......

گبول ایک جنگجو قبیلہ تھا جو اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ زیادہ تر مظفر گڑھ کے علاقے میں پایا جاتا ہے جبکہ ڈیرہ غازی خان کے نواحی علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

6☆بُلمت......

ایک نظم میں ان کا ذکر کلمتی قبیلے سے لڑائی کے ضمن میں آیا ہے۔ اب ان کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔

7☆دریشک......

موجودہ دور میں ڈیرہ غازی خان ایک منظم قبیلہ ہے مرکزی مقام آسنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چاکر کی اولاد ہیں اور ان کی عرفیت دریشک بمعنی مضبوط ہیں۔ یہ عرفیت اس وجہ سے مشہور ہوئی کہ انھوں نے لاشاری قیدی عورتوں کو ہلاکت سے بچایا جو چھت گرنے کی صورت میں پیدا ہونے والی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے چھت کو ہاتھوں سے تھامے رکھا، تاآنکہ ان عورتوں کو نکال لیا گیا۔ غالباً ان کا تعلق مکران کے دیزک (دِزک) سے ہے۔ دریشک اس وقت راجن پور کے ساتھ کے علاقوں میں آباد ہیں اور وہاں پر مزاری کے بعد بڑا اتمن شمار ہوتا ہے۔ اس وقت دریشکوں کی نوعمر شخصیت سردار نصراللہ خان دریشک ہیں جو

ملکی سیاست میں بھی کافی سرگرم رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

8☆کلمت یا کلمتی......

مریوں کے خلاف کافی عرصہ تک برسرِ پیکار رہے۔ یہ مکران کے علاقہ پسنی اور سندھ میں ملتے ہیں۔ یہ لیوی (سپاہ) مہیا کرنے والا قبیلہ غالباً غیر بلوچ ہے۔ اس کا ماخذ مکران کا علاقہ کلمت ہے یا پھر کراماتی وجہ تسمیہ ہے۔

9☆ہوت......

بلوچوں کا ایک ابتدائی رہط ہے بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مکران میں اب بھی نہایت مضبوط قبیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان پر دو سو سال تک حکمران رہے ہیں۔ کھوسہ کا ایک حصہ اور بالاچانی مزاریوں کو ہوت کے سلسلہ نسب سے بتایا جاتا ہے۔ وہ ہر اس جگہ پائے جاتے ہیں جہاں بلوچ پہنچے ہیں۔ چنانچہ بہت سے ڈیرہ اسمٰعیل خان، مظفر گڑھ، ملتان اور جھنگ میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے نام کا غلط املاء ہوت (یعنی واؤ معروف سے) کیا جاتا ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں بھی ہوت منتشر حالت میں پائے جاتے ہیں، پنوں خان سسی کا ہیرو ہوت خان کا پوتا تھا۔

10☆گورگیج......

رِندوں کی ایک شاخ ہے زمانہ ماضی میں یہ قبیلہ بہت طاقتور تھا لیکن بلیدیوں سے برسرپیکار رہنے کی وجہ سے اب کمزور پڑ گیا ہے۔ بہت کم افراد باقی رہ گئے ہیں جو مکران کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہیں۔

11☆جتکانی......

ماقبل یہ سندھ ساگردوآب کا طاقتور قبیلہ تھا۔ اس کا مرکزی مقام منکیرا تھا اور اب

بھی بہت سے وہیں پائے جاتے ہیں۔ گورچانی اور دریشک قبائل میں پاڑے کی حیثیت سے بھی شامل ملتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لاشاری قبیلے کی شاخ ہے۔

12☆ دشتی......

یہ ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور مظفرگڑھ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں اس کو دستی بولا جاتا ہے۔ ڈیرہ غازی خان کے نواحی علاقوں کالا، شاہ صدر دین اور بستی لاشاری کے ساتھ یہ آباد ہیں۔

13☆ گولو یا گولہ......

زبردست قبیلہ کہا جاتا ہے کہ وہ چاکر کے خلاف لڑا۔ اب یہ بلیدی کا ایک خاص پاڑہ ہے جو بلوچستان کے نواحی علاقوں میں ہیں۔ اس قبیلہ نے میر چاکر رِند کے خلاف لاشاریوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

14☆ کیرد یا کُرد......

ایک طاقتور براہوری قبیلہ ہے۔ مزاری قبیلہ میں ایک پاڑے کی حیثیت سے شامل ملتا ہے۔ ایک منظوم داستان میں ذکر ہے کہ یہ ایک غلام قبیلہ تھا جسے چاکر نے اپنی بہن بانڑی کو عطا کیا اور اس نے آزاد کر دیا۔

15☆ کورائی......

ایک ابتدائی رہط ہے۔ اب منظم تمن کی حیثیت نہیں رکھتا لیکن پنجاب میں جہاں بھی بلوچ گئے یہ وہاں ملتے ہیں۔ خصوصاً مظفرگڑھ، ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں۔ اب بھی مکران میں ایک قبیلے کی حیثیت رکھتے ہیں (بعض ان کا املا ''کو وائی'' کرتے ہیں)۔ بلوچستان کے بالائی علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ میر جلال خان کے تیسرے بیٹے

کورائی خان کی نسل سے کورائی مشہور ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان میں یہ بستی وڈور میں کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں جبکہ سندھ میں بھی ان کا ایک پاڑہ موجود ہے۔ ڈیرہ غازی خان کے کورائیوں میں ایک نام اس وقت خالص دین کے لئے جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ حافظ عبدالکریم کورائی ہیں جو اس وقت ڈیرہ غازی خان کے دینی حلقوں میں ایک بہت بڑا نام شمار ہوتے ہیں۔

16☆ گوپانگ......

اس قبیلہ کے افراد منتشر حالت میں مظفرگڑھ، ملتان، ڈیرہ غازی خان اور کچھی میں ملتے ہیں۔ جبکہ ڈیرہ غازی خان کے مختلف نواحی علاقوں میں زیادہ راجن پور میں پائے جاتے ہیں۔

17☆ میروانی......

قدیم تذکروں میں ملتا ہے کہ انھوں نے رِندوں کے ساتھ مل کر لاشار سے جنگ کی تھی۔ غالباً یہ کچھی کے رند پاڑہ مہرالی سے ملتے جلتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی شناخت بلیدی بھی کی جاتی ہے۔ اس فہرست میں ان قبائل کا ذکر ہے جن کا مذکور قدیم نظموں میں نہیں لیکن اب اہمیت رکھتے ہیں۔

18☆ نوتھانی......

اس قبیلے سے لیوی لئے جاتے ہیں۔ شمبانی تحتانی تمن ہے کبھی یہ بگٹی سے بالکل الگ سمجھا جاتا ہے۔

19☆ کھیری......

کچھی کا ایک چھوٹا سے قبیلہ ہے۔ اب بلوچوں کی حلقہ بندی میں آتا ہے لیکن غالباً

بلوچ نژاد نہیں اس کا ذکر تاریخ معصومی (1400ء) میں ملتا ہے۔ مصنف نے اس لفظ کی وجہ تسمیہ کہیر یعنی درخت بتائی ہے۔ جس پر ان کے کسی بزرگ نے گھوڑے کی طرح سواری کی تھی۔

20☆زرکانی......

یہ بگٹی کا دوسرا نام ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ کاکڑ پٹھان کے ایک پاڑے کا نام بھی زرکانی ہے۔

21☆بلیدھی......

(بلیدی، بلیدھی، بُردی) اس کا ماخذ کے بزرگوں میں تھا۔ (انڈکس 3-5) زمانے سے حکمران خاندان تھا۔ تا آنکہ گچکی قبیلہ نے اقتدار حاصل کیا، دریائے سندھ کے بالائی حصے اس علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ جو بدو یکا کے راستے پر ہے اور قلات میں شامل علاقہ کچھی میں بھی۔

22☆رئیسانی......

ایک نہایت طاقتور براہوئی قبیلہ ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رئیسانیوں کا سلسلہ نسب بلوچوں سے ملتا ہے اور وہ میر چاکر کے بھتیجے رئیس سے شجرہ ملا دیتے ہیں۔ یہ شجرہ نسب محض نام کی یکسانی کی وجہ سے بنالیا گیا ہے۔

23☆شمبانی....

ایک چھوٹا قبیلہ ہے۔ بعض اوقات انہیں ان پہاڑی علاقوں میں آباد بگٹیوں کے پاڑے کی حیثیت دی جاتی ہے جو بگٹی اور [illegible] قبیلے کے درمیان پہاڑ پر آباد ہیں۔ یہ لنڈوں کی طرح میر چاکر کے بھتیجے ریحان سے اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔

24☆مری......

مری ان قبیلوں میں سے ہے جو نسبتاً بعد میں تشکیل پا گئے۔ بلوچوں کی قدیم شاعری میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ مری قبیلہ پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں اور سولہویں صدی کے شروع میں (جب رِند ارغون کے ہاتھوں سبی کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے) اس علاقہ میں جہاں پر وہ آباد ہیں وجود میں آیا۔ رِندوں کا بیشتر حصہ اس وقت میر چاکر خان کی قیادت میں مشرق کی طرف پنجاب گیا مگر اس کا چھوٹا حصہ جسے پڑ رِند کہا جاتا ہے، بجار خان کی قیادت میں کوہ سلیمان کے جنوبی دامنوں میں بجار وڈ اور کوٹ منڈاہی میں رہ گیا۔ یہ رندوں کا وہی چھوٹا حصہ ہے جو سولہویں صدی کی پہلی دہائی میں مری کے نام سے بلوچوں کے تشکیل پانے والے قبیلے کو وجود میں لایا۔ مری قبیلے کا اپنا نام کوٹ منڈاہی کے پہاڑی سلسلے سے لیا گیا ہے۔

بعد میں اٹھارہویں صدی میں مری نے حسنی قبیلہ کو مشرق کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ (ابھی تک اس کے چھوٹے گروپ سبی، رڑکن اور سندھ میں باقی ہیں) اور اس قبیلے کی زمینوں پر قبضہ کر کے اپنے زیر تصرف کیا اور اپنے علاقے کو موجودہ سرحد تک بڑھایا۔ مری خانہ بدوش بلوچوں کا ایک جنگجو قبیلہ ہے وہ نصیر خان دوم (1750ء تا 1794ء) کے وقت تک قلات کے تابع رہے اور ان کے سربراہ خان قلات کی حاکمیت اعلیٰ مانتے تھے اور تھوڑا سا ٹیکس بھی اسی دیتے تھے۔ نصیر خان کی موت کے فوراً بعد جاگیرداروں کے مابین نفاق و بدنظمی پیدا ہوئی۔ مری نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خود کو قلات کے تسلط سے چھڑالیا۔ اور انیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک یعنی اس وقت تک جب وہ انگریزوں سے ٹکر لیتے ہیں اپنا قبیلہ مستقل طور پر چلاتے رہے۔ پہلی افغان انگریز جنگ کے وقت مری کے رہبر اور سردار خواہ جس قدر بھی انگریز کی طرفداری کرتے رہے ہوں اور مشرقی ہند سے

اسے مدد دیتے رہے ہوں مگر صرف نصف صدی میں (1845ء تا 1898ء) ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت مجبوری ہوئی کہ اس نے مری کے خلاف گیارہ فوجی دستے بھیجے اور اکٹھا ہونے والے تعلقات قائم کر کے دم لیا۔

جنگجو مری اکثر اوقات پڑوسی پُرامن کاشتکار قبیلوں پر حملہ کرتے تھے۔ گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی میں سندھ کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے اطلاع کی کہ ”مری نے کچ گنداواہ کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا، پرامن کاشتکار پلک جھپکتے ہی اپنے رہائشی مکانات خالی کررہے ہیں اور اپنے خاندانوں اور مویشیوں کے ساتھ سندھ کو کوچ کررہے ہیں۔ دریائے ناڑی کے دونوں کناروں کے علاقے آبادی سے خالی ہو چکے ہیں“۔

اسی طرح دامنی بلوچ جو مغربی بلوچستان میں سراوان اور سرحد کے علاقوں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے ہیں، خود کو مری کا رشتہ دار قبیلہ کہتے ہیں۔ 1951ء کی مردم شماری کے مطاب مشرقی بلوچستان میں مری کی تعداد 38 ہزار 800 سو تھی۔ مری قبیلہ مکمل طور پر مالداری کرتا ہے اور شمال میں ڈیرہ غازی خان سے جنوب میں اوپری سندھ کی وادی تک علاقے میں خانہ بدوشی کرتا ہے۔ ان کے علاقے کی زمینیں جٹ کاشت کرتے ہیں، جٹ مختلف قبیلوں کے سرداروں کی زمینیں ہی حقارت آمیز شرائط پر ٹھیکے پر لیتے ہیں۔ جاٹوں کا ایک حصہ دستکاری کرتا ہے اور کچھ تو موجودہ صدی کے اوائل تک ”غلامی کی حالت“ میں زندگی بسر کرتے تھے۔

مری کی سرزمین میں دائمی شہریت والے علاقے بہت کم ہیں۔ سارے علاقے میں عمدہ شہریت والا علاقہ کاہان (کوہک) ہے جہاں پر قبیلے کے سربراہ تمندار کی رہائش گاہ واقع ہے۔ تمندار کا اقتدار قدیم زمانے سے موروثی شکل اختیار کرگیا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہاں سارے اہم مسائل جو قبیلے کی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں، کے بارے میں حقیقت میں خود فیصلہ کرتا ہے مگر پھر بھی ظاہری طور پر انہیں قبیلے سے فرقوں کے بڑوں کے

جرگے کی طرف بھیج دیتا ہے۔

کافی عرصہ مری اپنے پڑوسی بگٹی قبیلہ کے ساتھ خون بہانے والی دائمی جنگوں میں معروف رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ خود کو ایک دوسرے کے قدیم اور اصلی دشمن سمجھتے ہیں۔

25☆بگٹی......

خود کو میر چاکر رند کے چچا کے لڑکے جیاندار کی اولاد کہتے ہیں۔ اس قبیلے کا اصلی فرقہ جو سندھ میں آباد ہے، جیاندار کے بیٹے راہیجہ کے نام سے منسوب ہے۔ بگٹی کی روایتوں کی بنیاد پر ان کے قبیلے کا نام مغربی بلوچستان میں بگ کی وادی کے نام سے لیا گیا ہے جہاں وہ سولہویں صدی کے آخر تک رہتے تھے، بگٹی بعد میں ان طویل اور سخت جنگوں کے نتیجے میں جو اس نے بلیدی سے لڑیں اور بلیدی کو اس نے پسپا کر کے بھگا دیا اور اسی طرح سے مزاری اور دریشک کے ساتھ (جو اس علاقے پر دعویٰ رکھتے تھے) اس بات پر فتح یاب ہوئے کہ اس زمین پر قبضہ کریں اور اس پر آباد ہو جائیں جہاں پر آج وہ آباد ہیں۔

بگٹی بھی مری کی طرح تعداد کے لحاظ سے کوئی بڑا قبیلہ نہ تھا۔ یہ قبیلہ بعد میں تدریجی طور پر دوسرے بلوچ قبائل، حتیٰ کہ غیر بلوچ قبیلوں کے مہاجروں اور حتیٰ کہ کبھی پورے گروپوں مثلاً ڈومبکی قبیلہ کے چاکرانی گروپ کے جذب ہونے سے وسعت پا گیا۔ گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی میں بگٹی 6 قبیلوی فرقوں میں مگر بیسویں صدی کے شروع میں آٹھ قبیلوی فرقوں (38 چھوٹے گروپوں) میں تقسیم ہوتا تھا۔

یہ واضح ہے کہ پیروزانی بگٹی کے قبیلوں میں سب سے بڑا قبیلوی فرقہ اور بگٹی کے نئے تشکیل شدہ قبیلوی فرقوں کا مجموعہ ہے جسے بگٹی کے دوسرے فرقوں یعنی شلوانی، راہیجہ اور نوتکانی سے علیحدہ شدہ چھوٹے گروپوں نے تشکیل کیا اور بعد میں بلوچوں کے دیگر قبیلوں کے بعض گروپ اس کے ساتھ مل گئے۔ بگٹی قبیلے کے فرقے میر چاکر رند کے بیٹوں اور بھائیوں

کے ناموں پر پڑ گئے۔ پیروزانی (پیروز)، کلپر (کلپر)، راہیجہ (راہیجہ)، مندرانی (مندار) وغیرہ۔

بگٹی خانہ بدوش مالدار ہیں۔ ہر سال اپنے مویشیوں کے ریوڑوں کو ساتھ لے کر سندھ کے علاقے تک آتے جاتے ہیں۔ بگٹی جاگیردار اپنی قابل کاشت زمینیں رعیت یا ہمسایہ کو اجارے پر دیتے ہیں، جو جٹ کی اولاد ہیں۔ بگٹی قبیلے کو کنٹرول کرنے والے موروثی سردار یا تمندار ہیں جو ڈیرہ بگٹی (ڈیرہ بی برگ) کے علاقے میں دائمی رہائش رکھے ہیں۔ بگٹی کے قبیلوی فرقے شمبانی، سندرانی اور راہیجہ اوپری اور جنوبی پنجاب میں آباد ہیں۔ مری اور بگٹی کی ایک قلیل تعداد سوویت یونین میں ترکمانستان کے سوویت سوشلسٹ ریپبلک میں رہتی ہے۔ اس وقت بگٹیوں کا سردار اکبر خان بگٹی ہے جو ملک کا ایک بڑا سیاستدان بھی ہے۔ بعض لوگ انہیں زیادہ متکبر بھی سمجھتے ہیں لیکن ان کا ایک اپنا مزاج ہے اور بلوچی روایات کے پکے امین بھی ہیں۔ اس طرح سیاست میں بھی نواب اکبر بگٹی کا اپنا ایک منفرد مقام و مرتبہ ہے۔ اگر وہ بلوچی ضد میں آ جائیں تو پھر پانچ سال تک اردو بولنا چھوڑ کر بلوچی اور انگریزی میں گفتگو کرتے رہے کیونکہ منافقت نام کی کوئی چیز اکبر خان بگٹی میں نہیں پائی جاتی اور یہی وجہ ہے کہ شاید ان کے قبیلے میں انہیں آج تک اپنا سربراہ بنایا ہوا ہے۔

26☆کھتران......

نسب کے لحاظ سے ہندی قبیلہ ہے جس کا نام سنسکرت لفظ (کشیترہ) سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ''کاشتکاری'' یا کاشتکار کے ہیں۔ اسی طرح اس قبیلے کے فرقوں کا نام مثلاً جرا وغیرہ اس کی بات دلالت کرتے ہیں کہ کھتران نسب کے لحاظ سے ہندی قبیلہ ہے۔ مشرقی بلوچستان کی سرزمین میں لورالائی کے علاقے میں ساٹھ ہزار سے زیادہ کھتران رہتے ہیں۔

وہ آباد کاشتکاری کرتے ہیں اور گھوڑے پالتے ہیں جنہیں وہ پرانے ز. وں میں فروخت کرنے ہندوستان بھیجتے تھے۔ کھتران اس وقت زیادہ تر تعداد میں تونسہ شہر سے آگے وہوا، لڑا کے مقام پر رہائش پذیر ہیں۔ جہاں پر یہ لوگ کافی مضبوط ہیں یہاں کے سردار ربنواز کھتران مرحوم ایک اچھے منتظم اور اپنے علاقے میں کافی ترقیاتی کام کرا چکے ہیں اور اب ان کا بیٹا سردار عمر اصغر کھتران بھی اپنے علاقہ میں کافی مقبول ہیں۔ اور وہ اپنے علاقے کے ہر کام کو بغیر کسی لالچ کے سرانجام دینا اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتے ہیں اور یہی خوبی انہیں اپنے علاقے میں مقبول کر رہی ہے۔

27☆بلیدی......

(یابردی) نے غالباً اپنا یہ نام بلیدہ کے میدان کے نام سے لیا جو مکران میں واقع ہے۔ بلوچوں کے قدیم افسانوں کے حوالے سے قبیلے کے اس نام کو میر جلال خان کے ایک بیٹے بولو کے نام سے اخذ شدہ تصور کرتا ہے جو بلیدی کا بانی تھا۔

بلیدی اکثریت میں سبی کے علاقہ اور اسی طرح کچھ گنداواہ اور ڈومبکی اور کھیری کے علاقہ میں آباد ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل چھ گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ گولہ، جوفوزئی، کھرکانی، لولائی، پیتافی، بلیدی مشرقی بلوچستان میں بیس ہزار افراد سے زیادہ رہائش پذیر ہیں۔

بلیدی کا ایک حصہ (دس ہزار سے زائد تعداد) مشرقی مکران میں رہتا ہے جو اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس جگہ کا حاکم قبیلہ تھا۔ بلیدی بعد میں جب گچکائی راجپوتوں کے ہاتھوں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تو گروہی صورت میں وہ بلوچستان کے شمال مشرقی علاقوں (سبی اور کچھ گنداواہ) کو کوچ کر گئے اور وہاں سے سندھ چلے گئے جہاں اس صدی کے اوائل تک ان کی آبادی پینسٹھ ہزار تک تھی۔ وہ بلیدی جو شکارپور کے شمال

میں (سندھ میں) آباد ہوئے، زیادہ تر بردی کے نام سے مشہور ہیں اور بلیدی کی ایک تھوڑی تعداد ابھی تک مغربی بلوچستان کے مکران میں زندگی بسر کرتی ہے۔ مشرقی بلوچستان اور سندھ کے سارے بلیدی آبادکار کاشتکاری کرتے ہیں۔

28☆کھوسہ......

بلوچوں کی روایت کے مطابق سردار کھوسخ ہوت کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ کھوسخ ہوت کا پوتا تھا اور ہوت خان میر جلال خان کی دوسری بیوی عجوبہ کے بطن سے تھا جو غیر بلوچ تھی۔ کھوسہ بلوچوں کا ایک قدیم تمن ہے جس کا ذکر بلوچوں کی قدیم شاعری میں ملتا ہے۔ کھوسہ کی تعداد مشرقی بلوچستان میں اس وقت تیس ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ وہ نصیر آباد اور سبی کے علاقوں میں آباد ہیں۔ ان کی اکثریت (رواں صدی کے شروع میں تقریباً 60ہزار افراد سے زائد بتائی جاتی تھی) شمالی سندھ، پارکر اور تھر میں رہتی ہے، ان کا ایک حصہ ڈیرہ غازی خان (پنجاب) میں آباد ہوا۔

اس قبیلہ کے بنیادی فرقے کھوسخ کے بیٹوں کے ناموں سے منسوب ہیں۔ بلیانی بلیل کے نام سے، عمرانی عمر کے نام سے، جیانی جیا کے نام سے، جملانی جمل کے نام سے۔ ان مذکورہ فرقوں کے علاوہ قبیلے کی ترکیب میں دیگر 9 گروپ بھی شامل ہیں۔ بلیل خان کی اولاد نے باطل ڈیرہ غازی خان کے مقام پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور آج تک اس مقام پر آباد ہیں اور اب اس کا نام کوٹ مبارک رکھا گیا ہے۔ مبارک خان یہاں کے کھوسوں کا بڑا بزرگ تھا۔ ویسے تو ان کھوسوں میں سردار کوڑا خان کھوسہ بہت بہادر شخص گزرا ہے۔ کوڑا خان نے سکھوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور سکھوں کو شکست دے کر اپنے قبیلے کا نام بلند کیا تھا۔ اس وقت ڈیرہ غازی خان میں کھوسوں کا سردار بلیل خان کی ہی نسل سے تعلق رکھنے والے سردار ذوالفقار علی خان کھوسہ ہیں۔ جو گورنر اور سینئر صوبائی وزیر بھی رہ چکے ہیں۔''

اپنے علاقے کا نامور سردار اور ایک اچھے سیاستدان شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے علاقے کی ترقی کے لئے کافی کام بھی کرائے ہیں۔

29☆جمالی......

نسب کے لحاظ سے رند قبیلہ ہے۔ جو نصیر آباد کے علاقہ میں آباد ہے۔ بلوچستان میں اس کی تعداد نوے ہزار سے زائد پائی جاتی ہے۔ جمالی کا اچھا خاصا حصہ سندھ میں زندگی بسر کرتا ہے اور وہاں شمالی سرحدی علاقہ اور لاڑکانہ میں زمینیں کاشت کرتا ہے۔ جمالی بلوچ زیادہ تر کاشت کاری کرتے ہیں۔

30☆بزدار......

''بکریاں رکھنے والے'' مالدار قبیلہ ہے، جس کا بڑا حصہ کوہ سلیمان کے دامن میں اور اسی طرح جنوبی پنجاب میں زندگی بسر کرتا ہے۔ مشرقی بلوچستان کے بزداروں کے رہنے کے علاقے لورالائی میں ہے۔ بلوچستان کے بزدار دو بڑے گروپوں اور دس چھوٹے گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ بزدار ڈیرہ غازی خان میں تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑا تمن ہے اور ان کی ماضی میں سکھوں کے ساتھ بھی جنگ ہوئی تھی جس میں بزداروں کو فتح نصیب ہوئی تھی ان کی زیادہ تعداد کوہ سلیمان کے اندر رہائش پذیر ہے۔ اس وقت ڈیرہ غازی خان میں بزدار تمن کے سربراہ سردار فتح محمد خان بزدار ہیں جو انتہائی شریف اور مخلص شخص شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے پنجاب اسمبلی میں پہلی اور آخری مرتبہ بلوچی زبان میں تقریر کی تھی۔

31☆کھیری......

اس قبیلے کا نام عامیانہ ا۔تمالوجی کی بنیاد پر کھیر کے درخت کے نام سے لیا گیا وہ

پندرہویں صدی سے بلوچستان کی سرزمین پر آباد ہیں۔ کھیری خود کو رند کے قریبی لوگ سمجھے ہیں کہ گویا ان کے ساتھ ہی مکران سے آئے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کچھ محققین انہیں ہندی قبیلہ قرار دیتے ہیں۔ جو پہلے زمانے سے بلوچستان میں زمینیں قبضہ کر چکے تھے۔ ہیوز بھر انہیں پستون بتاتا ہے مگر اپنی اس بات کے لئے کوئی دلائل نہیں دیتا۔ کھیری سندھی زبان بولتے ہیں۔ مشرقی بلوچستان میں ایک ہزار افراد کے قریب رہتے ہیں وہ ان چار فرقوں (سترہ گروپوں) میں تقسیم ہوتے ہیں۔ بولانی، قلندرانی اور تھرانی اس کے کچھ قبیلوی گروپ سندھ میں رہتے ہیں اور آباد کاشت کاری کرتے ہیں۔

32☆جکھرانی......

رِند قبیلہ ہے، کہتے ہیں کہ قبیلہ 1845ء میں ڈومبکی سے جدا ہوگیا، یہ نو قبیلوی گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور زیادہ تر اوپری سندھ میں رہتے ہیں۔ ایک قلیل تعداد مشرقی بلوچستان میں کچ گنداواہ کے علاقہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اور وہاں لاشاری تمن میں آباد ہو کر ان کا حصہ شمار ہوتے ہیں جبکہ سبی میں رہنے والے رِند قبیلہ کا حصہ ہیں۔

33☆مگسی......

(موگسی، میگسی) لاشار کے بیٹے ماگ کی نسل سے ہے۔ ڈیمز بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ مگسی لاشار کی اولاد ہے۔ اس کا یہ نظریہ صحیح لگتا ہے کیونکہ مشرقی بلوچستان کے ایک پورے سلسلے کے علاقے مکران اور سندھ میں مگسی کے جدا جدا فرقے زیادہ تر لاشاری کے نام سے مشہور ہیں مگسی کے قبیلے کا نام مغربی بلوچستان کے مگس کی وادی کے نام سے متعلق ہے۔ مگسی کچ گنداواہ کی ان زمینوں پر آباد ہوئے جو فیروز جام کے خلاف حکمران شاہ حسین کی جنگوں میں حصہ لینے کے بدلے میں حکمران شاہ حسین کی طرف سے لاشاریوں کو دی گئی تھیں۔ جو بعد میں لاشاریوں اور رِندوں کی جنگ کے بعد مگسیوں کے حصہ میں آگئیں۔

مگسی کا زیادہ حصہ چھپال کے میدان (سبی) میں آباد ہے۔ نسبتاً قلیل وقت میں مگسی قبیلے کی تعداد واضح طور پر بڑھی۔ اس بات کی تائید کی اچھی دلیل خود مگسی کے قبیلوی فرقوں کی تعداد کا بڑھ جانا ہے۔ انیسویں صدی کے شروع میں پٹینگر نے مگسی کے قبیلوی گروپوں کی کل تعداد پندرہ بتائی تھی۔ انیسویں صدی کے آخر میں یہ قبیلہ تین بڑے فرقوں (لاشاری، صغیری اور عمرانی) میں تقسیم ہوتا ہے۔ ان کا قبیلہ اس وقت منتشر ہو چکا ہے۔

34☆عمرانی......

خود کو میر جلال خان کے پوتے عمر کی اولاد کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے، سبی اور قلات میں آباد اور اس کی اکثریت یہاں کھیتی باڑی کرتی ہے اور اونٹ پالتی ہے۔ عمرانی قبیلے کے علاوہ عمرانی کے نام سے فرقے بھی موجود ہیں جو بلوچوں کے دیگر قبائل مثلاً رِند، مگسی، کھوسہ، لُنڈ وغیرہ میں شامل ہوتے ہیں جو سندھ اور جنوبی پنجاب میں آباد ہیں۔ ڈیرہ غازی خان اور سندھ کے مختلف علاقوں میں عمرانی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کا تمن اس وقت منتشر ہو چکا ہے۔

35☆گورچانی......

(گورشانی) بلوچوں کا اصلی قبیلہ ہے جو روایتوں کے مطابق میر جلال خان کے پڑپوتے گوریش کی اولاد ہیں۔ روایتوں کے مطابق گوریش کے چار بیٹے تھے اور ان کے ناموں سے اس قبیلے کے اصلی فرقوں کو منسوب کیا گیا۔ شیھاکانی (شیہک کے نام سے) ہوتوانی (ہوتو کے نام سے)، خلیلانی (خلیل کے نام سے) اور الکانی (الی کے نام سے)۔ گورشانی نزدیکی وقتوں تک خانہ بدوشوں کا مالدار اور جنگجو قبیلہ تھا۔ وہ بگٹی، مزاری، مری، کھتران اور دیگر قبائل سے زمین، چراگاہوں اور اس مال غنیمت جو ان قبیلوں کے علاقوں میں سے گزرنے والا تجارتی کاروانوں پر حملوں کے وقت مل جاتا اور جنگ کرتے۔ گورشانی

قبیلے کے بہت بڑے فرقے لاشاری نے بلوچستان اور سندھ میں استعماری حکومتوں کے خلاف طویل اور سخت لڑائیاں کیں۔ بعد کے وقتوں میں گورشانی کی اکثریت نے خانہ بدوشی کی زندگی سے آباد دیہاتی زندگی اختیار کی اور کاشتکاری کرنے لگے۔

گورشانی قبیلہ اپنی ترکیب میں گیارہ قبیلوی فرقے رکھتا ہے۔ یہ فرقے پھر 81 چھوٹے گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ شیھکانی، ہوتوانی، خلیلانی، الکانی، درکانی، بازگیر، جنکانی، پتافی، جوگیانی، چنگ، خلوانی، سہرانی وغیرہ گورشانی کا زیادہ حصہ پنجاب میں آباد ہے۔

مشرقی بلوچستان کی سرزمین پر گورشانی کے صرف چند چھوٹے گروپ اور وہ بھی جنکانی فرقے کے دیکھنے میں آتے ہیں۔ گورچانی کے متعلق بعض روایات یہ بھی ہیں کہ یہ دودائی قبیلے کی ایک شاخ ہیں۔ اس لئے یہ غیر بلوچ ہیں لیکن اب گورچانی ایک طویل عرصہ سے بلوچوں میں رہنے کے باوجود اب شکل صورت، بول چال، غیرت مندی گو ہر چیز میں بلوچ نظر آتے ہیں تو اب ان کو بلوچوں سے کیسے جدا کر سکتے ہیں۔

36☆مزاری......

اصل میں رند قبیلہ ہے جس کا ذکر بلوچوں کی قدیم شاعری میں ملتا ہے۔ مزاری خانہ بدوش مالدار ہیں، جس نے بگٹی اور گورشانی قبائل کے ساتھ بڑی طویل جنگیں لڑی ہیں وہ اسی طرح بار بار سبی اور کچ گنداواہ کے علاقوں میں پر امن کسانوں پر لوٹ مار اور زیادتیاں کرتے تھے۔ اس قبیلے کا ایک بڑا حصہ جنوبی پنجاب میں زندگی بسر کرتا ہے جہاں اس نے ایک باریک پٹی کا علاقہ قبضہ کرلیا، جو ڈیرہ غازی خان کے جنوب سے مغرب کے پہاڑوں اور مشرق کی طرف دریائے سندھ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ مزار قبیلہ چار بڑے فرقوں (ساٹھ قبیلوی گروپوں) میں تقسیم ہوتا ہے۔ بالاچانی، رستمانی، سیدانی اور سرکانی

ہیوز مزارانی کو مزاری کا پانچواں فرقہ کہتا ہے۔ اس کے نظریہ کے مطابق اس فرقے نے ماضی ہی میں سبی کے شمال مشرق میں درہ بولان کے علاقہ میں زمینیں قبضہ کی تھیں اور مری قبیلے کے تمندار کے حمایتی ہیں۔

جنوبی پنجاب کے علاوہ مزاری خانہ بدوش مشرقی بلوچستان کے شمالی حصہ کے کئی علاقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مزاری اس وقت روجھان کے اندر بہت زیادہ تعداد میں آباد ہیں۔ اب بھی بعض علاقوں میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ ان کے ایک بڑے سردار سر امام بخش خان مزاری انگریزوں کے بڑے خیر خواہ تھے اور وہ نابینا تھا ان کا انتقال 1904ء میں ہوا تھا۔ بہرام خان مزاری بھی اس قبیلہ میں ایک بڑا نام گزرا ہے۔ اس وقت اس قبیلہ کے سردار میر بلخ شیر مزاری ہیں جو بڑے پر امن اور مہذب شمار ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کے چھوٹے بھائی سردار شیر باز خان مزاری بھی ملک کے ایک بڑے سیاستدان شمار ہوتے ہیں اور وہ اس وقت عرصہ بیس سال سے بلوچوں کے نسب اور ان کے تہذیب و تمدن پر تحقیق بھی کر رہے ہیں۔

37☆رخشانی......

مغربی بلوچوں کا بہت بڑا (ایک لاکھ سے زائد) قبیلہ ہے۔ رخشانی زیادہ تر خاران (پچاس ہزار) چاغی اور مکران میں آباد ہیں۔

یہ لوگ عموماً کوہ سیاہانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں مگر نوشکی کے علاقہ میں رخشانی خود کو جمال دینی رخشانی کہتے ہیں۔ رخشانی کا زیادہ حصہ آباد کاشتکاری اور اونٹ پالنے کا کام کرتا ہے۔ چاغی کے رخشانی (جن کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ ہے) خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ اس قبیلے کے کچھ فرقے سیتان اور خراسان (ایرانی حصہ) میں اور اسی طرح ترکمانستان کے سوویت سوشلسٹ ری پبلک میں زندگی بسر کرتے تھے۔

38☆رئیس......

خودکو میر چاکر رند کے چچازاد بھائی رئیس کی اولاد سمجھتے ہیں۔وہ سب اکٹھے مکران (کیچ کی وادی) میں آباد ہیں اور اس مقام پر وہ ماضی سے آباد زراعت کرتے ہیں۔ چالیس ہزار مغربی بلوچستان (وادی جالک) میں رہتے ہیں۔

39☆گچکی......

یہ قبیلہ ہندی راجپوتوں سے جو سندھی مہاجر تھے وجود میں آ گیا۔انھوں نے اپنا نام مکران میں گچک کے میدان سے لیا ہے۔ جہاں وہ پہلے آباد ہوئے تھے۔ انہیں بلوچ قبیلے بلیدی نے جو اٹھارہویں صدی کے اوائل تک مکران کا حاکم قبیلہ تھا مکران سے کوچ کر جانے پر مجبور کیا اور وہ پہلی بار یہاں آباد ہو گئے۔گچکی مکران میں کیچ اور دشت کی وادیوں میں رہتے ہیں اور اس جگہ کاشتکاری کرتے ہیں۔

وہ ذکری کے مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کی اصل زیارت جنوبی مکران میں کوہ مراد کے ساتھ واقع ہے۔ان قبیلوں کے علاوہ کچھ تعداد میں قبیلوی فرقے مثلاً سنجرانی، نوشیروانی، ناروئی، ہوت وغیرہ بھی مشرقی بلوچوں کی ترکیب میں شامل ہوتے ہیں جن کا بڑا حصہ ایران اور افغانستان میں آتا ہے۔

40☆سنجرانی......

اپنے مویشیوں کے ریوڑوں کے ساتھ کوئٹہ پشین اور چاغی کے آس پاس والے علاقوں میں خانہ بدوشی کرتے ہیں۔معمولی تعداد میں سنجرانی آباد کاشتکار بھی ہیں جو مکران میں رہتے ہیں۔ان کی کل تعداد مشرقی بلوچستان میں تیس ہزار سے زائد ہے۔سنجرانی کا بڑا حصہ قدیم زمانے سے خراسان (ایرانی حصے) میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتا رہا ہے۔

سنجرانی ڈیرہ غازی خان کے نواحی علاقوں چوٹی اور پیر عادل کے ساتھ بھی آباد ہیں۔جبکہ ان کا ایک بڑا خاندان خانیوال کے ساتھ چک فرید کوٹ میں آباد ہے جن کے بڑے بزرگ فتح محمد خان مرحوم سنجرانی بلوچ تھے۔جن کے راقم کے دادا سردار غازی خان لاشاری کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔

41☆نوشیروانی......

نوشیروانی ایک آریائی قبیلہ ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ نوشیروانی بلوچ ہیں۔خواہ بلوچوں کی قدیم شاعری میں ان کا براہ راست ذکر نہ بھی آیا ہو شاعری میں صرف اس کا ذکر ملتا ہے کہ بلوچ ایران کے بادشاہ شیروان کی فوج میں شامل تھے جنہیں اس نے خدمت اور لشکرکشیوں میں حصہ لینے کے بارے میں بڑی سخاوت سے نوازا تھا۔زیادہ امکان یہ ہے کہ انہی بلوچوں کی اولاد میں اپنا قبیلہ اسی نوشیران کے نام سے منسوب کیا تھا۔

نوشیروانی کا ایک بڑا حصہ مغربی بلوچستان کی سرزمین (سراوان اور سرحد) میں رہتا ہے اور اس جگہ آباد کاشتکاری کرتا ہے۔مکران کے شمالی حصہ (پنجگور اور کولواہ کی وادیوں میں) اور خاران میں بھی آباد ہیں۔

42☆ناروئی......

اس کا ترجمہ ''میدان پر سکونت پذیر'' ہے۔بلوچوں کا بور میں تشکیل یافتہ کسان قبیلہ ہے۔وہ بڑے وسیع علاقہ پر آباد ہے ان کی رہائشی جگہیں مغربی بلوچستان سیستان اور خراسان میں افغانستان (قندھار اور گرشک) میں اور مشرقی بلوچستان میں جہاں ان کی اکثریت چاغی، کوئٹہ، پشین کے علاقوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ناروئی کے بعض قبیلوی فرقے ماضی ہی سے خانہ بدوشی کی زندگی سے آباد زندگی اختیار کر گئے تھے اور جیسا کہ پٹیگر لکھتا ہے کہ ''وہ محفوظ برج رکھنے والے پتھروں کے گھروں

میں زندگی گزارتے ہیں''۔ علاوہ ازیں اس قبیلے کی ساخت کے بارے میں یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ مشرقی بلوچستان کے ناروئی قبیلہ میں مندرجہ ذیل قبیلوی گروپ شامل تصور کئے جاتے ہیں۔ راکنی، سنجری، خوساجی، کورد، من، اربابی اور مالکی۔

ناروئی کے بہت سے گھرانے مغربی بلوچستان میں (نصرت آباد کے علاقہ میں) رہتے ہیں اور یہاں وہ مویشی اور شتربانی کرتے ہیں۔

43☆وڈانی......

یہ قبیلہ ڈیرہ غازی خان اور نواحی علاقوں میں پھیلا ہوا ہے اور اس وقت وڈانی کھوسہ سردار کو اپنا تمندار مانتے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان شہر کی بنیاد سے قبل یہ زیادہ نواحی علاقوں میں رہتے تھے۔ لیکن جب شہر تعمیر ہوا تو یہ نزدیک آباد ہو گئے۔ یہاں پر یہ چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے ان کے معمول تھے لیکن اب پہلے کی نسبت زیادہ مہذب ہو گئے ہیں اور تعلیم کی طرف بھی وڈانیوں کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ یہ آج تک بھی بلوچی بولی بولتے ہیں۔

44☆قیصرانی......

یہ رند کی نسل سے تعلق رکھنے والا قبیلہ ہے جس کا مرکز کئی سو سالوں سے تونسہ سے اوپر ٹبی قیصرانی اور کوہ سلیمان تک چلا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ کوہ سلیمان کے شمالی حصہ اور اس سے ملحقہ دامانی علاقہ میں آباد ہے۔ قیصر خان کے چار بیٹے قبدین، لشکری، بھڈا اور واسو تھے قیصرانیوں کی تمام شاخوں کا تعلق انہی کی نسل سے ہے۔ سرداری بڑے بیٹے قبدین کی اولاد سے چلی آ رہی ہے۔ یہ قبیلہ شروع سے ہی باہمی نفاق اور ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہا ہے لیکن جب کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہو تو یہ یکجا ہو جاتے ہیں۔ اس قبیلہ میں سردار کوڑا خان قیصرانی بڑی معتبر شخصیت ہو گزرے ہیں تاج برطانیہ کے ابتدائی دور میں

انگریزوں کی سپاہ قیصرانیوں کے علاقے میں اپنا رعب جمانے اور انہیں اپنے تابع کرنے کی خاطر بڑے جتن کرتے رہی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ انگریزوں نے سردار کوڑا خان قیصرانی کے ایک بیٹے کو کسی کام کے لئے اپنے پاس بلایا اور پھر سزا کے طور پر اسے دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ جب کوڑا خان قیصرانی کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ آگ بگولہ ہو کر موقع پہنچا اور انگریزوں کے کچھ سپاہیوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ پہاڑ کے اندر لے گیا۔ اس نے پہاڑ کے ساتھ جا کر سپاہیوں کو چھوڑ دیا لیکن انگریز افسر گری سر کو پہاڑ میں لے جا کر اپنے قلعہ میں بند کر دیا اور پھر پورے چھ (6) ماہ اسے اپنے ہاں نظر بند رکھا۔ لیکن اس کی مہمان نوازی کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ گری سر نے کوڑا خان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے آزاد کر دے تو وہ حکومت برطانیہ سے ان کے تمام مطالبات کو تسلیم کرا لے گا۔ کوڑا خان نے اسے آزاد کر دیا اور یوں انگریزوں میں بھی قیصرانی تمن کے مطالبات تسلیم کر لیئے۔

عرصہ تیس سال سے اس قبیلہ میں قادیانی فتنہ روز بروز ان سادہ لوح بلوچوں کو اپنے حصار میں لے رہا ہے یہاں تک کہ اس قبیلہ کے کچھ بڑے بھی باطل قادیانی مذہب کی طرف راغب ہو چکے ہیں جو کہ بڑے دکھ اور کرب کی بات ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے سچے دل کے ساتھ تائب ہو کر اپنے اعلیٰ و ارفع مذہب اسلام کو قبول کریں کیونکہ اسی میں ہی ان کی دنیا و آخرت کا فائدہ ہے۔

45☆لغاری......

اس قبیلہ کا جد امجد میر لغار خان رند تھا، جس کا تعلق میر رند خان کی اولاد پڑشاخ سے تھا۔ جب چاکر خان نے دیگر بلوچ قبائل کے ساتھ پنجاب کی طرف رخ کیا تو میر لغار خان نے اپنے جانباز بیٹے میر عالی خان کے ساتھ تحصیل بارکھان کے علاقے کھچی میں آباد ہو گیا اور وہاں پر وسیع رقبہ پر قبضہ کر کے آباد ہو گیا۔ عالی خان کی نسل بعد میں علیانی کے نام سے

مشہور ہوئی اور اس وقت لغاری دراصل علیانی پاڑہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بارکھان میں آباد ہونے کے تقریباً ایک سال بعد علیانیوں کے کچھ افراد نقل مکانی کر کے چوٹی زیریں سے مغربی جانب رودہڑی کے ٹیلوں پر سکونت پذیر ہو گئے کیونکہ یہاں پر ان کے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے لئے اچھی چراگاہیں موجود تھیں۔ یہاں پر ان کی لڑائیاں احمدانیوں کے ساتھ بھی ہوئیں، جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ احمدانیوں ہی سے جنگ کر کے انھوں نے چوٹی پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہدیانی، کلوئی، رمدانی، تالپور، بغلانی، جوگیانی، کھیلا وغیرہ اب یہ سب قومیں لغاری تمن میں شامل ہو کر اپنے آپ کو لغاری ہی مشہور کرتے ہیں۔ لغاریوں کی ایک شاخ ڈیرہ غازی خان سے بارہ کلومیٹر کے فاصلہ بستی عالی والہ میں بھی آباد ہے۔ یہاں کے علیانی بھی اپنا چیف چوٹی کے سرداروں کو ہی تسلیم کرتے ہیں۔

چوٹی کے لغاریوں میں ملکی لیول پر ایک بڑا نام سردار فاروق احمد خان لغاری کا ہے جو مملکت خداداد پاکستان کے سابق صدر بھی رہ چکے ہیں اور اس وقت بھی وہ ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی سیاست میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

46☆لُنڈ......

یہ بھی رند قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں اور صوبہ سندھ کے مختلف علاقوں میں اس قبیلہ کے افراد بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس قبیلہ کے دو تمن ہیں ایک سوری لُنڈ اور ٹبی لُنڈ ۔ یہ دونوں قبیلے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ علی بن ریحان کی اولاد ہیں جو کہ میر چاکر کا بھتیجا تھا۔ ڈیرہ غازی خان سے تیس کلومیٹر کے فاصلہ پر بمقام شادن لُنڈ کے اندر بھی لُنڈ کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

سوری لُنڈ بھی ایک بڑا قبیلہ ہے جو میدانی علاقوں میں آباد ہے اور ان کا مرکزی مقام کوٹ لُنڈی والا ہے اس قبیلہ میں گورچانیوں کا بھی ایک پاڑہ شامل ہے۔ ٹبی لُنڈ ان کی

نسبت چھوٹا قبیلہ ہے اور اس قبیلہ میں لُنڈوں اور کھوسوں کا بھی ایک ایک پاڑہ شامل ہے اور اس کے علاوہ ایک تیسرا پاڑہ بھی ہے جو خود کو رند شامل کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کئی نسلوں کا آپس میں مل جانے کا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

47☆احمدانی......

احمدانی اپنے آپ کو رند کے بیٹے گیاندار کی اولاد سے بتاتے ہیں۔ ماضی میں یہ بہت بڑا طاقتور قبیلہ تھا اور چوٹی سے موجودہ مانہ احمدانی کے علاقہ تک ان کی اسٹیٹ تھی۔ ان کا اصل صدر مقام شروع سے ہی مانہ احمدانی رہا ہے۔ احمدانیوں کی چوٹی کے لغاریوں کے ساتھ ماضی میں ایک خونریز جنگ ہوئی تھی جس میں احمدانیوں کو شکست ہوئی اور چوٹی کے علاقہ پر بعد میں لغاریوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں آج تک لغاریوں کی چیف فیملی آباد چلی آرہی ہے جبکہ احمدانی اپنے ہیڈ کوارٹر مانہ احمدانی میں ہی آباد ہیں۔

سوری لُنڈ اور ہیدانی لغاری پاڑوں میں بھی بہت سے احمدانی شامل ہیں جو بعض دفعہ اپنے آپ کو لغاری اور لُنڈ بھی کہلواتے ہیں۔

48☆گشکوری......

یہ خالص رند قبیلہ ہے اور جب رندوں کی لڑائی لاشاریوں کے ساتھ ہوئی تو ان کے جدامجد بیورغ نے رند کا ساتھ دیا تھا۔ بلوچستان میں مکران کے ساتھ گشکور ایک پہاڑی نالہ کا نام بھی ہے۔ یہ قبیلہ زیادہ تر تعداد میں ڈیرہ اسمٰعیل خان، مظفرگڑھ، ڈیرہ غازی خان، کوٹ اڈو جبکہ بلوچستان میں مکران اور کوئٹہ کے قرب و جوار میں پایا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ شروع سے ہی بااصول اور خوددار رہا ہے۔ اس قبیلہ کے ایک فرد سردار محمد خان گشکوری ایک بہت بڑا نام ہو گزرے ہیں جن کا پڑھے لکھے طبقہ میں بہت بڑا نام ہے۔

49☆پتافی......

پتافی زیادہ تر تعداد میں ڈیرہ غازی خان کے نواحی علاقوں جام پور وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔سردار احمد خان پتافی یہاں کے پتافیوں کے لئے بہت بڑے سربراہ اور بزرگ ہوگزرے ہیں۔ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی،انھوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے رقبے وغیرہ مساجد اور دینی مدارس کے لئے وقف کردی تھی۔ڈیرہ غازی خان کے علاوہ پتافی مظفر گڑھ،ڈیرہ اسمٰعیل خان اور سندھ کے مختلف علاقوں میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

50☆تالپور......

یہ بلوچوں کا مشہور و معروف قبیلہ ہے اور انھوں نے سندھ کے مختلف علاقوں پر حکمرانی بھی کی ہے۔سندھ کے ضلع خیر پور کے میر بھی تالپور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ خود کو لغاریوں کے تالپور پاڑے کا ایک حصہ بتاتے ہیں لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ قبیلہ اپنی والدہ کی جانب سے تال بور ہیں اور بولو کے پوتے ہیں۔چنانچہ سلسلہ نسب بلیدی سے بھی ملتا ہے۔

51☆کلاچی......

اس کا ماخذ بلوچستان کے علاقہ مکران کے ایک مقام کولانچ سے ہے۔یہ قبیلہ ہوت اور دودائی قبیلہ کے ساتھ بلوچستان سے ہجرت کر کے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قرب وجوار میں آباد ہوگئے تھے۔بعض روایات میں بلوچستان میں ایک جگہ کولانچی بھی اس قبیلہ کے نام پر مشہور ہے۔

قوی امکان یہی ہے کہ کلاچی دودائی قبیلے کی ایک شاخ ہے اس وقت کلاچی ڈیرہ

غازی خان،مظفر گڑھ اور صوبہ سندھ کے مختلف علاقوں میں زیادہ تر تعداد میں آباد ہے۔

52☆گورمانی......

گورمانیوں کا ہیڈ مقام کوٹ اڈو کے ساتھ ٹھٹھہ گورمانی کا علاقہ ہے جہاں پر یہ کافی تعداد میں آباد ہے۔اور اس علاقہ کے بڑے زمیندار شمار ہوتے ہیں۔بعض مورخین نے ان کو لاشار خان کی نسل سے شمار کیا ہے۔نواب مشتاق گورمانی اس قوم کے چیف رہے ہیں اور پاکستان کی سیاست میں بھی جنرل غلام محمد کے زمانے میں ان کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔

53☆مستوئی......

ڈیمزان کو بلوچوں کے غلام قبیلوں میں شمار کرتا ہے۔چاکر رند نے اپنی بہن بانڑی کی شادی کے موقع پر مستوئی قبیلہ اس کی خدمت کے لئے اسے عطا کیا تھا۔بانڑی نے بعد میں ان کو آزاد کردیا تھا۔اس وقت ڈیرہ غازی خان کے مختلف نواحی علاقوں میں مستوئی آباد ہیں جہاں پر وہ بکھری بکھری آبادیوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور اب پہلے کی نسبت کافی ترقی کرچکے ہیں۔

54☆جتوئی......

یہ بلوچوں کا مرکزی قبیلہ شمار ہوتا ہے۔ان کی زیادہ تر تعداد سندھ میں پائی جاتی ہے جن جن علاقوں میں بھی بلوچ آبادیاں پائی جاتی ہیں وہاں پر جتوئی بھی ضرور پائے جاتے ہیں۔سندھ کا علاقہ شکار پور جتوئیوں کا مرکز شمار ہوتا ہے۔وہاں پر اس قبیلہ کی کافی جاگیریں اور ایک بڑی تعداد آباد ہے جتوئی میر جلال خان کی بہن جتو مائی کی اولاد سے شمار ہوتے ہیں۔جب چاکر رند اور گوہرام لاشاری کی آپس میں خانہ جنگی ہوئی تھی تو جتوئی قبیلہ نے زیادہ تر ساتھ لاشاریوں کا دیا تھا۔اس وقت جتوئی سندھ کے علاقوں شکار پور،حیدر آباد،

میر پور خاص جبکہ پنجاب میں مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، جھنگ، ساہیوال کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

55☆چانڈیہ......

بلوچ قوم کا مرکز قبیلہ اور رِند کی نسل سے تعلق رکھنے والا چانڈیہ قبیلہ نے روجھان کے قریب مزاریوں کے ساتھ کئی مرتبہ زمانہ قدیم میں جنگیں کی تھیں۔ دراصل رِندوں اور لاشاریوں کی جنگ کے بعد یہ قبیلہ رِندوں کے ساتھ مل کر سندھ تک اور بعد میں ڈیرہ جات کے تمام علاقوں میں پھیل گیا۔ جب یہ سندھ کے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا روجھان پہنچا تو روجھان کے تمام نواحی علاقوں پر مزاریوں کا قبضہ تھا۔ یہاں پر چانڈیوں اور مزاریوں کے درمیان بڑی خونریزہ لڑائیاں ہوئیں۔

آخر کار ان لڑائیوں میں مزاری غالب آئے اور چانڈیوں کو وہاں سے ہجرت کر کے ڈیرہ غازی خان، راجن پور، مظفر گڑھ کے ساتھ نواحی علاقوں میں بسنا پڑا۔ جہاں پر وہ آج تک کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

56☆نتکانی......

نتکانی قبیلہ بھی بلوچوں کا بڑا اہم اور مرکزی قبیلہ شمار ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں ان کی سرداری تونسہ سے شروع ہو کر سنگھڑ کے میدانوں تک چلی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اس قبیلے کے چیف اسد خان نتکانی بہت بڑا نام شمار ہوتے تھے۔ اسد خان میں ایک بری بات یہ پائی جاتی تھی کہ وہ انتہائی ظالم تھا اور اپنے علاقے میں دہشت کی علامت تصور ہوتا تھا۔ نتکانیوں کے بارے میں انگریز مورخ نے بھی کچھ زیادہ تعریف نہیں کی۔ کیونکہ نتکانیوں نے انگریز حکومت کی اطاعت نہیں کی تھی۔ ماضی میں یہ قبیلہ بہت طاقتور تھا لیکن اسد خان کے زمانے میں نتکانی قوم کے افراد اس کے ظلم سے متنفر ہو کر دوسرے علاقوں کا رخ کرنے

گئے تھے۔ اس قبیلے کی مشہور شاخیں ملغانی اور نصوحہ وغیرہ ہیں۔ نصوحہ کی وجہ تسمیہ اس قوم کے ایک بزرگ کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ نصوحہ مشہور ہوئے۔ اس وقت نصوحہ قوم کے سرکردہ افراد میں سے ایک نام سردار سعید اللہ خان نصوحہ کا بھی ہے جو اپنے علاقے کی انتہائی معزز شخصیت شمار ہوتا ہے۔

57☆چنگوانی......

چنگو خان کی اولاد شمار ہونے والا یہ قبیلہ اس وقت چوٹی میں 100 (سو) سال سے آباد چلا آ رہا ہے۔ اس کے متعلق جسٹس (ر) خدا بخش خان مری نے لکھا ہے کہ ڈومبکیوں کے ساتھ رہائش پذیر رہ چکے ہیں اور اب اس وقت چوٹی میں اور گردونواح میں اباد ہیں۔

58☆سہرانی......

سہرانی بلوچ بھی رِند و لاشار کے ساتھ بلوچستان کے مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں آئے تھے۔ اور یہاں آتے ہی دوسرے بلوچوں کی طرح کھیتی باڑی کے پیشہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس وقت سہرانی زیادہ تر ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، کوٹ اڈو، جھنگ جبکہ سندھ میں جیکب آباد، سکھر، شکار پور وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہیں۔ یہ قوم بہت محنتی اور جفاکش شمار ہوتی ہے۔ اور اب روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
بگٹی یازرکانی	راہیجہ	بیرکزئی
		(کرمان زئی) کرم زئی
		(قاسمانی) کسمانی
		مندوانی
بگٹی	نوسانی (نوتھانی)	(سہگانی) ساہگانی
		سیاہیں زئی
		(صوبہ زئی) جوبہزئی
		ہیتبابی
نوسانی		
		چکرانی (جکھرانی)
		چندرام زئی
		ہیوانی (ہیوانی)
		نوحکانی
		فیش پُر (پھیش بُر)
		رامیزئی
		شلوانی
		سندررانی
	مسوری	بگرانی
		بخشوانی (بشکوانی)

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		فیروزئی
		گریانی
	مسوری	جافررانی
نوسانی		نوحکانی
		ہونکانی
	ملچھور (ف)	فدلانی (بندلانی)
"	پھونگ یاموورانی	دروانی
		گیاندرانی
		حاجیانی
		پھونگ
	شمبانی یا کیزئی	کیزئی (کیہ زئی)
"		شمبانی
		سیدانی
بلیدمی (بردی)	گولہ	
	جھوزئی	
	کھورکھانی	
	کوتاجی (کولاچی)	
	لولائی	
	پتانی	

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	ریتی	
	بھکری	
بزدار	رستمانی	
	دولانی	
	لادوانی	
	جکھرانی	
	رسہانی	
	شہوانی	
	جافرانی (جعفرانی)	
	جلالانی	
	نمرود	
	غلامانی (نائب تمن)	بجرانی
	کجانی (گاجانی)	
ڈومبکی یا ڈومکی	بغداد	المانی (عالمانی)
		چتانی (جھتانی)
		فیروزئی (پیروزانی)
		عیسانی
		جروئی (جاڑوئی)
		مورائی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		فلانی
		رانوزئی
		ٹھیٹھانی (ٹھٹھلانی)
		پھنڈ
	بھند	
〃	براہیمانی	بوزرانی
〃		گجانی (گاجانی)
		ہستیانی
		قاسانی
		مسیتانی
		نہانی
		رخیانی
		عشقانی۔سجاقانی
〃	دیناری	
		مریدانی
دیرکھانی	دیرخانی	دیرخانی
	گبول	گبول
		للحدھیانی
	غازیانی	غازیانی
	کشکوری	کشکوری
	گورگیو	گورگیو (گورکیچ)

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	کھوسہ	پچیزئی
		ساہجانی
	لاشاری (لشاری)	لشاری
	محمدانی	برمانی (براہمانی)
		عیسابانی
		نہال زئی
	میروزئی	الہ دادزئی
		بھوٹانی
		دلدارزئی
		حاصل خان زئی
		ہوتیانی
		جلال خان زئی
		محمد خان زئی
		تھروزئی
//	شب خوب (بشکور)	چنگوانی
		جلوانی
		شب خور
	سنگانی	سنگانی
	سوہرانی	جکھرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		دادرنی
		دلاورانی
		قاسمانی
		مزارانی
		شاہوزئی
		سہراب زئی
		فضلانی (فاصلانی)
	ثالانی	خیروانی
		نودھوانی
	وزیرانی	اطرانی
		مندوانی
		وزیرخان زئی
		گدانی
	گدانی	
دریشک	کرمانی	
	منگوانی	
	گل پھاد (پاد)	
	سرگانی	
	اربانی	
	جستکانی	

Scanned with CamScanner

130

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
گرچانی	عیسیٰ خانی	
	(الف) دودائی گرچانی	
		جلبانی
		بکرانی
		معکانی
		دودانی
		شیخانی
		میہانی
		بابولانی
〃		میتھان
		سنجانی
		بابولانی
		چیٹانی
		معکانی
		کسمانی
〃		کلنگانی
		بکرانی
		بہادرانی
		گورپتانی

131

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	(ب) رندیالاشار	میروانی
〃		پیوانی
		دلانی
		براہیمانی
		دادانی
		فتحانی
		کنگانی
		فوجوانی
		دلشادھانی
		غرام
		جروانی
		حاتمانی
		کتالانی
		براہیمانی
		مٹکانی
		جنگلانی
		سرمورانی
ایضاً		تھوسرانی
		میوانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		گنگانی
		کوہتانی
		ودانی
		لڈانی
		منگانی
		ہروانی
	10-سہرانی	میرکانی
		مسانی
		سوانی
	11-ڈرکانی (تحتی تمن)	الکانی
		گندگوانغ
		سلیمانی
		زہریانی
		زودھانی
		اری
		جندانی
		فیروخانی
		سیاہ پاد
		غلتانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		تھلوانی
		عمرانی
		سفروانی
		نوحکانی
		لنگرانی
		کھیر
		راولکانی
		نہالانی
		سیلمانی
		گندسر
	12-لاشاری تحتی تمن	جلالانی
		باڈولانی
		بنگوانی
		موروانی
		گبول
		بھند
		گواہرامانی
		ہگداوانی
		گرکھوانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		شالمانی
		سازنگانی
		نہالانی
		گشکوری
جکھرانی	سلوانی	
	سوناری	
	سیاہ پھاد	
	مجانی (موجانی)	
	سولکانی (سلکانی)	
	ملکانی	
	سودکانی	
	کرورکانی (کھڑوکھانی)	
	لشکرانی	الانی
		سختی
		رستمانی
		ممدانی
	ردبدان	روبدن
	واسوانی	واسوانی
	لغاری	لیلانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	جروار	شاہلانی
	بدا	جروار
		قہوری
		دسمانی
کھوسہ	بلیلانی	
	جنگیل	
	جندانی	
	جیانی	
	حملانی	
	مہروانی	عیسیانی
		حالتی
		جمیلا
		لاشاری
		عمرانی
لغاری		دودانی
		مریدانی
		فیرانی
		ندامانی
		ملہانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		جمال خانانی
		بریمانی
		مرزانی
		سنگرانی
		مستوئی
		رستمانی
		سرکانی
		ہیتبانی
		(سندھ میں)
		بجرانی
		شہبانی
		گرمانی
		بجرانی
		چانڈیہ
		نانگری
		سہرانی
	10-ہدیانی (تحتی تمن)	انگلانی
	(1)احمدانی	بہارکھانی
		حیدرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		جیانی
		خانیانی
		انگلانی
	(2)بلوانی	بکریانی
		بلوانی
		بجرانی
		حاجیانی (جیانی)
ایضاً		اسمٰعیلانی
		جکھرانی
		جنگوانی
		ہویانی
		کھدرانی
		سربانی
		شدیانی
		شاہانی
	11-بٹوانی	حاجیانی
		شاہانی
لنڈ (ٹبی کے)		چانڈیہ کھوسہ

Scanned with CamScanner

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
لنڈ (سوری کے)		حیدرانی
		لڑانی
		محمرانی
		موریانی
		گرمانی
		دگوانی
		جنگوانی
		گرچانی
ایضاً		بلکانی
		بکرانی
		سزانی
		ہوتوانی
		گجانی
		بیگ
		گدھروانی
		لڈھانی
		پھولانی
		ٹربانی
		سیہانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		زریانی
		نوحانی
		بہاول زئی (خاص شاہ)
مری		تنگیانی
		علیانی
		نودھ بندغانی
		موہندانی
		ٹوری
		لوڑی کشن
		مزرانی
		عیانی
ایضاً		بڑانی
		جودار
		لانگھانی
		چھگری
		میہکانی
		شہانی
		مرغانی (مرگیانی)
		قلندرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		سُمرانی
		پیردادانی
		مندوانی
		رمکانی
		کھلوانی
		کنگرانی
		سجہ۔شاہیجہ
		پھوادی
		رامکانی
		قیصرانی
ایضاً		گھزنی
		شیرانی
		محمودانی
		گُسرانی
		دُرکانی
		جلبانی
		جنڈوانی (جھنڈوانی)
		میلوہار

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		چنگولانی
		مانیکانی
		مہکانی
		بدانی
		علیانی
		شیرانی
		گل شیرانی
مزاری		مستکانی
		آزادانی
		مچیانی
		حیدران زئی
		سیدان زئی
		خدادادزئی
ایضاً		ہیتبانی
		روانی
		بدھیلانی
		فروخانی
		مرانی
		بنگرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
ایضاً		عبدولانی
		کیرانی
		شابدکانی
		منگلانی
		داروانی
		سروانی
		ندھانی
		چونلانی
		زمکانی
		میرینی
		گلاب
		لالانی
		للانی
		عیسیٰ
		گل رانی
		سلاتانی
		لولانی
		نوحکانی
		سنجرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
ایضاً		شاہیجہ
		دہانی
		نودھکانی
		لٹانی
		ہورانی
		سوریجہ
		گرانی
		لونکرانی
		بھبھورانی
		میرکانی
		پوبھانی
		عیسانی
		جورکانی
		کھلانی
		سرگانی
		جلوئی
		کرد
رند (کچھی کے)		چاکرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		وانگیزئی
		اسحق زئی
		بھولوزئی
		چانڈیہ
		سرائی
	10۔گدری	علیانی
		چولیانی
ایضاً		عیسیٰ بانی
		کھیانی
		مندوانی
		نندوانی
	11۔گوشیانی	
	12۔گرچانی	
	13۔گرگیو (گورگیج)	
	14۔گوگیزئی	
	15۔ہڈکڑی	عمرانی
	16۔ہڈوار	

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	17۔اندرا	چمرا
		ہسلانی
	18۔عیسیٰ نی	
	19۔جمولی (تحتی تمن)	جلگری
		مندرانی
		ینوری۔وینس
		جمالی
		براہیمانی
		بولانی
		حاجی ہانزئی
		جمالانی
		لہورزئی
		فیروزائی
		شیہہ
	20۔کہیر	
	21۔کلوانی	
	22۔کرموزئی	
	23۔کھوسہ (تحتی تمن)	بکھرانی
		گانانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		ساکھانی
		شاہانی
		عمرانی
		کھوسہ
	24۔کلوئی	
	25۔کلاچی	
	26۔کولانگ	
	27۔کچک	چوٹائی
		سیاہ پھاد
		جلمبانی
	28۔لیغاری	
	29۔ لُنڈ	
	30۔مسوری	
ایضاً	38۔مہرانی	مہرانی
	39۔مفیری	
	40۔مرادخیل	میروزئی
	41۔ناہڑ	
	42۔لکھیزئی	
	43۔نندوانی	

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	44۔پائندزئی	
	45۔فروکارئی	
	46۔پیتافی	
	47۔پھنج	جوگی
	48۔پھتر	
	49۔رلنجہ	بدیزئی
		سہاکانی
		سنانی
		سیلکانی
		مشرکانی
		شبیہ کانی
	50۔راجو	
	51۔رخشانی	
	52۔رامیزئی	
	53۔روزی	
	54۔رستمائی	
	55۔سوہریانی	باگرزئی
		حاجی ہانزئی
		نندوانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
	56۔سرکھی	
	57۔شاہجہ	
	59۔سندرانی	
	60۔سوہریانی	
کہیر		بمبوانی
		مندوانی
		نہال زئی
		سمرزئی
		بندلانی
		جان بانی
		مرزئی
		مندھانی
		صادیقانی
		ہاممانی
		حضورانی
		نورانی
		احمدانی
		اللہ بخش زئی
		بدرانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		نورانی
		وزیرانی
گمی		جیگانی
		حیدرانی
	10۔ہسبانی	
		ہسبانی
	11۔جکیرانی	
	12۔کٹوہر	
		الکائی
	13۔لاشاری	
		بھنگرانی
		بھوٹانی
		دینارزئی
		گجانی
		گورانی
ایضاً		
		جھوانی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		جانی
		لکسوانی
		منگھیانی
		میان زئی
		محمدانی
		سرانی
		تاجانی
		شمپانی
		واسووانی
	14۔لشکانی	
	15۔مرزانی	
	16۔محمدانی	
	17۔مغیری	
		بمبیرانی
		بھنڈ
		حاجی جا
		جامرا
		کلانی
		کھور
		مروزئی
		ریحان زئی

قبیلہ	پاڑہ	پھلی
		سراجانی
ایضاً	18۔رانجھہ	
	19۔شبرانی	
	20۔شاہ مورزئی	
	21۔شمبانی	شمبانی
		ستزانی
	22۔سیاہ زئی	
	23۔تری جلبی	
	24۔عمرانی	عبدل زئی
		بھی رانی
		بھوٹانی
		دلاورزئی
		جولانی
		پلیجانی
		سجانی
	25۔وسدانی وغیرہ	

شجرۂ انساب

جو بلوچ روایات کے مطابق مختلف قبائل کے مابین رشتے کو ظاہر کرتے ہیں

پہلا شجرہ
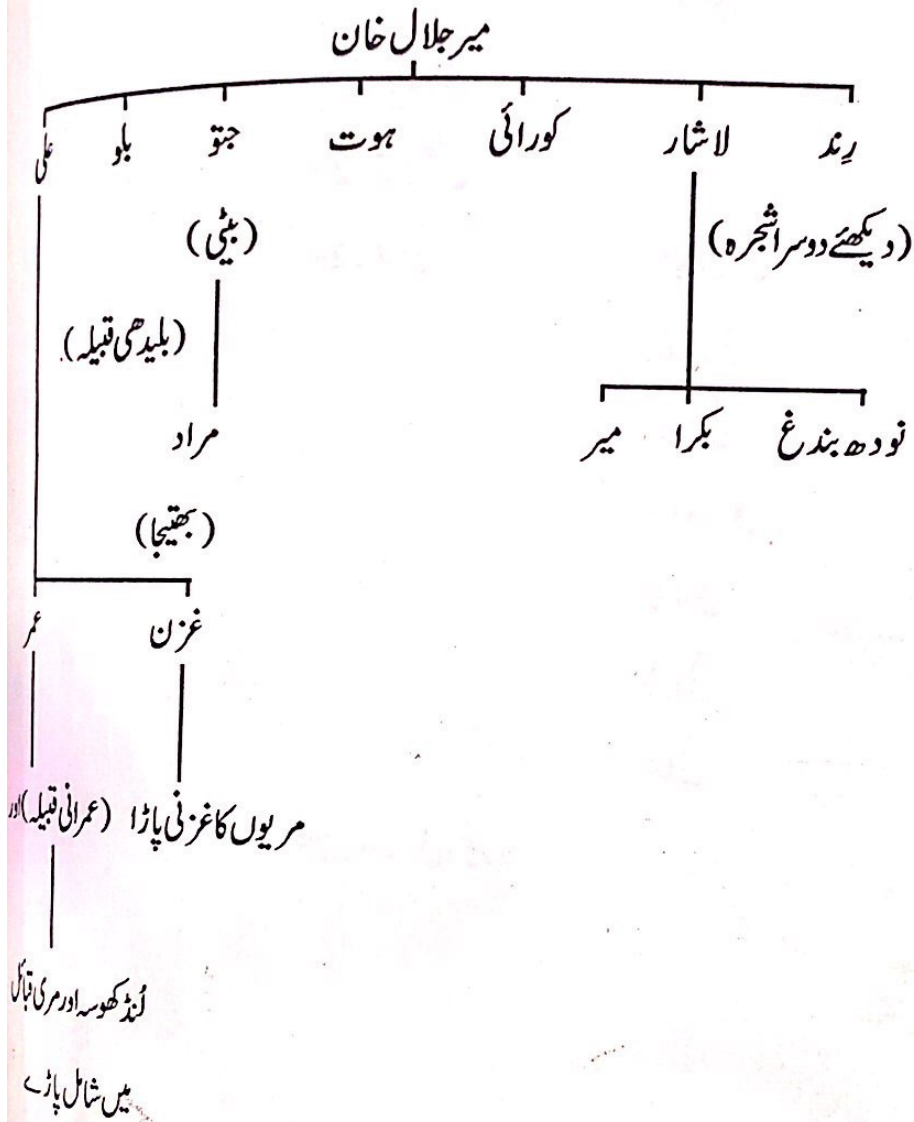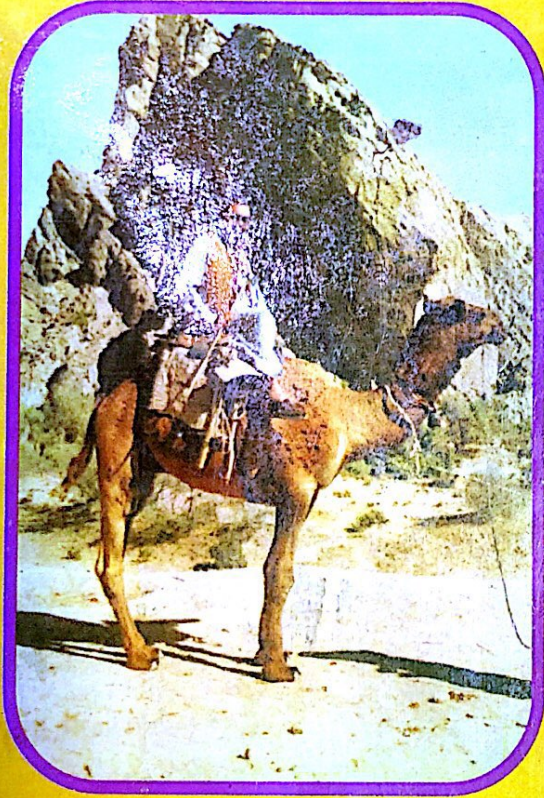
4915
مصنف: مظہر علی خان لاشاری
عِلم و عرفان پبلشرز
C-7 ماتھر سٹریٹ لوئر مال روڈ' لاہور فون: 7352332
E-mail:waqas_g_1999@yahoo.co.uk